آدمی کو ٹریس کر لیا۔ اس کا تانہ بانہ صوفیہ رحمٰن کی ایک فیکٹری کے کسی ملازم سے ملتا تھا۔ نہ بھی ٹریس ہوتا تو سب کو معلوم تھا' یہ کسی اور کی نہیں' حکمران خاندان کی حرکت ہے۔ وہ جانتا تھا وہ آریانہ کو مارنا نہیں چاہتے تھے۔ اغوا کر کے پریشر ڈالنا مقصد تھا۔ جو ہوا وہ صرف ایک حادثہ تھا' مگر بہرحال وہی اس کے ذمے دار تھے۔

پولیس کو ان دونوں کی لاشیں بھی نہیں ملیں۔ شاید ان کو گدھ کھا گئے تھے۔ مگر ان کی گمشدگی اور ان کا صوفیہ رحمٰن سے تانہ بانہ مل جانا.... یہی ہنگامہ کھڑا کرنے کو بہت تھا۔

جس دن پولیس کی حتمی رپورٹ سامنے آئی' اس دن کیمونسٹ پارٹی کے مسلح ارکان نے فوج کے ساتھ جھڑپیں تیز کر دیں۔

اس صبح وہ عصرہ کے پاس آیا تو وہ بیڈ کے کنارے اکڑوں بیٹھی کھانے کو تک رہی تھی جو اَن چھوا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا' اور آنکھیں بے کیف تھیں۔ آج آریانہ کو کھوئے چوتھا دن تھا اور وہ صدیوں کی بیمار لگتی تھی۔ فاتح کو داخل ہوتے دیکھ کے اس نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ ان میں آس سی جاگی۔

''آریانہ؟''

اب وہ ''آریانہ ملی'' نہیں پوچھتی تھی۔ صرف ایک نام کافی ہوتا اور سارے سوال اسی میں شامل ہوتے۔ وہ ہر دفعہ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ آج نہیں ہلایا۔ اس کے سامنے جا کر بیٹھا اور اس کے ہاتھ تھامے جو ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

''عصرہ... جو میں کہہ رہا ہوں.... اسے غور سے سنو۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے دوبارہ' مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ نہیں ہے۔ وہ ہے۔ کہیں نہ کہیں ہے۔'' اسے دیکھتے ہوئے وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ عصرہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اب ہمیں صبر کرنا ہے۔ اپنے باقی دونوں بچوں کو سنبھالنا ہے۔ ایک گھنٹے بعد رپورٹرز ہمارے گھر کے دروازے پہ موجود ہوں گے۔ ہم دونوں کو ساتھ باہر نکلنا ہے اور بڑے صبر اور حوصلے سے دنیا کو بتانا ہے کہ ہم اپنی بچی کے لئے پرامید ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی ہمیں مل جائے گی مگر اس وقت ہمیں ان فوجیوں کے درد کو سمجھنا ہے جو ان جھڑپوں میں شہید ہو رہے ہیں۔'' عصرہ ایک لفظ پہ چونک چونک گئی۔

''کیا وہ ہمیں مل جائے گی' فاتح؟''

''ہو سکتا ہے وہ ہمیں کبھی نہ ملے لیکن مجھے یقین ہے وہ کسی اور کو مل جائے گی۔ کسی نے اسے سنبھال لیا ہو گا اور وہ وہاں خوش رہے گی۔'' وہ کچھ اور کہہ رہا تھا مگر عصرہ کو اس بات نے نئی امید دی تھی۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں صاف کیں۔

''وہ زندہ ہے۔ مجھے یقین ہے۔ وہ ہمیں مل جائے گی۔'' اس نے کہتے ہوئے ٹرے اپنے قریب کی تو آنکھیں پھر سے ابل پڑیں.... وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا وہ عصرہ کو وہ سب نہیں بتا سکتا جو اس نے دیکھا تھا۔ وہ سچ میں جھوٹ کی آمیزش نہیں کر سکتا تھا اور عصرہ سچ سننے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ سو اس وقت وان فاتح کو سچ چھپا دینا ہی بہتر لگا تھا۔ اسے لگا تھا' یہ جھوٹ نہیں ہوتا۔

مگر یہ کچھ تو ہوتا ہے نا۔

جھاگ میں ابھرتے ڈوبتے مناظر تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ فاتح چٹان پہ کھڑا... لہروں کو پتھروں سے سر پٹختے دیکھتا رہا... اس کی مسکراہٹ کی سوگواریت ہنوز قائم تھی۔

اگلا منظر جو پانی کی سطح پہ چمکنے لگا وہ اس کے بیڈروم کا تھا... وہ سنگھار میز کے شیشے کے سامنے کھڑا تھا۔ باہر سے اشعر آواز دے رہا تھا۔

''آبنگ... رپورٹرز پہنچ چکے ہیں۔''

وہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ بلیک پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے ہوئے، جس کے کالر کھڑے اور کف کھلے تھے۔

''آرہا ہوں۔'' اس نے جواباً کہا تو اشعر دروازے سے ہٹ گیا۔

فاتح نے کف کے بٹن بند کرنے شروع کیے....

(پہاڑی کے دامن میں سرخ مائع میں بھیگی لاش نظروں کے سامنے گھومنے لگی....)

اس نے دوسرے کف کا بٹن کاج میں ڈالا....

(وہ دوزانو بیٹھے، جھک کے اس کا سفید چہرہ چوم رہا تھا... آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

فاتح نے خشک آنکھوں سے آئینے میں اپنا عکس دیکھتے شرٹ کا نچلا بٹن بند کیا۔

(وہ ہاتھوں سے، ناخنوں سے زمین کھود رہا تھا.... آنسو برابر مٹی پہ گر رہے تھے۔)

دو، تین... اس نے اوپری بٹن بند کیا اور ٹائی اٹھائی۔

(وہ گٹھڑی کو گڑھے کے اندر لٹا رہا تھا... پھر مٹی میں اٹی آستین سے گیلی آنکھیں پونچھیں۔)

ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ آئینے میں نظر آتی اپنی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

(وہ سینے پہ بازو باندھے، قبر کے سرہانے کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔)

اس نے کوٹ پہنا، شکنیں برابر کیں، اور پرفیوم اٹھایا۔

(وہ مٹی کی ڈھیری کے ساتھ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ویران۔ خاموش۔ اب آنکھیں خشک تھیں۔ اب صرف دنیا میں خاموشی تھی۔)

پرفیوم چھڑکا، برش سے بال درست کیے، اور ایک آخری نظر خود پہ ڈالی۔ چہرہ خاموش تھا اور آنکھوں سے... آنکھوں سے جیسے کچھ چلا گیا تھا۔ کچھ ایسا جواب کبھی لوٹ کے نہیں آنا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ گھر کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ عصرہ اس کے ساتھ تھی۔ اسٹول سر پہ لئے، اس کی آنکھیں خشک مگر ویران تھیں۔ مائیک اور کیمرے ان کے سامنے تھے اور وان فاتح، تیز دھوپ کے باعث آنکھوں کی پتلیاں ذرا سکیڑے، کہہ رہا تھا....

”دنیا میں ہر مسئلہ اللہ کی طرف سے ہمارا امتحان ہوتا ہے۔ اور اللہ شاہد ہے' ہم اس امتحان میں ناکام نہیں ہوئے۔“

(وہ سبز پہاڑوں کے دامن میں پتھروں سے ڈھکی قبر کے سرہانے اکڑوں بیٹھا تھا۔ گیلی آنکھیں دور آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔)

”ہماری بیٹی پانچ دن پہلے کیبل کار (چیئر لفٹ) اسپاٹ پہ ہم سے بچھڑ گئی۔ پولیس تا حال اس کو ڈھونڈ نہیں سکی' لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ یہ کس کا کام ہے۔“ صحافیوں نے ایک دم سوالوں کی بوچھاڑ کی مگر اس نے ہاتھ اٹھا کے انہیں خاموش کرایا۔

(وہ ابھی تک مٹی اور پتھروں کی ڈھیری کے کنارے بیٹھا تھا۔ اردگرد پہاڑ تنہا اور خاموش کھڑے تھے۔)

”میں اپنی بیٹی کے اوپر سیاست کروں گا نہ کسی کو کرنے دوں گا۔ ہوسکتا ہے وہ ہمیں مل جائے۔ ہوسکتا ہے' وہ ہمیں کبھی نہ ملے' لیکن اس وقت ہمارا ملک ایک مشکل دور سے گزر رہا ہے۔“

(اس نے آہستہ سے قبر کے پتھروں کو چھوا۔ ان پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔)

”اس وقت سارے ایوان کو اکٹھا ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ لڑائیوں کا وقت نہیں ہے۔ اگر ہم نے ان کیمونسٹ انتہا پسندوں کو شکست دینی ہے تو ہمیں اپنے ذاتی اختلافات بھلا کے ایک پیج پہ اکٹھا ہونا پڑے گا۔“

(اب وہ بکھرے ہوئے پاپ کارن چن رہا تھا۔ وہ جو آنکھوں سے کھویا تھا' وہ وہیں کھویا تھا۔)

”میں کل پارلیمنٹ جاؤں گا۔ باریسن نیشنل اور ہمارے چیئرمین کے ساتھ' ہم سب کل وزیرِ اعظم آذر رحمٰن کے ساتھ بیٹھیں گے اور کیمونسٹ تنظیم کے ساتھ معاہدے کا ڈرافٹ تیار کریں گے۔“ مائیک اس کے چہرے کے آگے لہرا رہے تھے' اور کیمروں کے فلیش جل بجھ رہے تھے۔ وہ دائیں سے بائیں رپورٹرز کے چہروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(جو کھویا' وہ وہیں رہ گیا۔ پاپ کارن اس نے جیب میں ڈال دیے اور اب وہ اوپر چڑھ رہا تھا.... اوپر ایک لمبا سفر پڑا تھا جو اسے طے کرنا تھا....)

”میں بھولوں گا نہیں یہ سب.... وزیرِ اعظم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ وان فاتح کبھی نہیں بھولے گا جو اس کی بیٹی کے ساتھ ہوا.... لیکن اس وقت اگر ہم اکٹھے نہ ہوئے تو ہمارے فوجی مرتے رہیں گے۔ میں نے اپنا بچہ کھویا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید کوئی اپنا بچہ کھوئے۔“

(وہ اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ جھاڑیاں' پتھر' گھاس۔ وہ ہر شے عبور کر رہا تھا۔ آنکھیں خشک تھیں۔)

”میں کسی کے خلاف کوئی کیس نہیں کرنے جا رہا۔ اس وقت میرا ملک کسی لڑائی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ میں نے.... آریانہ کے معاملے کو.... اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔ میں اس وقت صرف امن و امان کا سوچ رہا ہوں۔ آپ کے آنے کا شکریہ۔“

اس نے ہاتھ اٹھا کے ذرا سا لہرایا' پھیکا سا مسکرایا اور وہ دونوں میاں بیوی پلٹ گئے.... دروازہ کھلا اور اندر چلے گئے جبکہ ان کے

پیچھے کیمروں کے فلیش دھڑادھڑ جلتے بجھتے رہے.... بالآخر دروازہ بند ہو گیا....

وہ ابھی تک چٹان کے اوپر کھڑا تھا....جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ زخمی سا مسکراتے ہوئے۔ سفید شرٹ بار بار ہوا سے پھڑپھڑاتی اوراڑتی۔ وہ پاپ کارن کے ٹکڑے اس نے کسی تبرک کی طرح اپنے پاس سنبھال رکھے تھے۔ دو دانے اس کے والٹ میں ہوتے تھے۔ گزرتے ماہ وسال نے ان کو سُکھا دیا تھا مگر وہ موجود تھے۔

دور ایک ملے نوجوان کسی بھورے بالوں والی فارنر لڑکی کے ساتھ ساحل پہ چلتا آرہا تھا۔ وہ دونوں باتوں میں مگن تھے۔ یکا یک لڑکے کی نظر چٹان پہ کھڑے فاتح پہ پڑی تو اس کا منہ کھل گیا

''یہ وان فاتح ہے۔'' بے یقینی سے بولا تو لڑکی نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اس جانب دیکھا' پھر ناک سکوڑی۔

''تم لوگ اس آدمی کے لئے اتنے پاگل کیوں ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ وجیہہ اور خوبصورت ہے؟''

نوجوان نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا۔''وہ ایک اچھا اور ایماندار سیاستدان ہے۔''

''ہمارے ملک میں اس طرح کے بہت سے سیاستدان ہوتے ہیں جو اتنے ہی نیچرل اور ایماندار ہوتے ہیں۔ اس آدمی میں ایسا کیا ہے جو تم لوگ اس سے اتنی محبت کرتے ہو؟ میں تمہیں جج نہیں کر رہی' صرف پوچھ رہی ہوں۔''

''پہلے اتنی محبت نہیں کرتے تھے۔ یہ اچھا لگتا تھا بس۔ لیکن پھر....'' وہ بے تابی سے دور کھڑے تنہا آدمی کو دیکھ کے بتانے لگا۔'' پھر اس کی بیٹی کھو گئی۔ کچھ کہتے ہیں وہ صرف کھوئی ہے۔ کچھ کہتے ہیں شاید وہ مر گئی ہو لیکن لاش وغیرہ نہ ملی ہو۔ مگر سارا ملک جانتا تھا کہ یہ صوفیہ رحمٰن اوران کے والد نے کروایا ہے۔ اس وقت ملک میں ویسے ہی انتشار پھیلا تھا۔ اگر وان فاتح چاہتا تو حکومت گرانے کے لئے سڑکوں پہ آتا' لوگوں کو اکٹھا کرتا' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ dividing force نہیں بنا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ خود کو'' مظلوم'' بنا کے نہیں پیش کیا۔ وہ سروائیور بن کے سامنے آیا۔ اس نے بیٹی کے نام پہ ووٹ نہیں مانگے۔ سیاستدان اپنے خاندان کی اموات یا حادثوں کو کیش کرواتے ہیں ساری دنیا میں' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے ملک کو ٹوٹنے نہیں دیا۔ پھر کمیونسٹ پارٹی سے مذاکرات ہو گئے اور ملائیشیاء میں امن ہو گیا۔ اس وقت سے لوگ اس کی دل سے عزت کرنے لگے ہیں۔''

''تو مذاکرات کے بعد اس نے کیس کو فالو کیوں نہیں کیا؟''

''ایسا نہیں ہوتا ہیلن۔ جب آپ ایک دفعہ وقار کا مظاہرہ کرتے ہو تو پھر تھوکے کو نہیں چاٹتے۔ جب معاملہ جانے دیا تو جانے دیا۔ بہر حال اسی دن کے بعد وہ مزید مقبول ہوتا گیا۔'' پھر موبائل نکال کے بے قراری سے بولا۔'' آؤ سیلفی لیتے ہیں اس کے ساتھ۔''

لڑکی مسکرا دی اور وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ لڑکی کے پاس ڈی ایس ایل آر کیمرہ تھا۔ وہ برابر فاتح کی تصاویر اتار رہی تھی۔ وہ اب پلٹ گیا تھا اور تصاویر پشت کی آرہی تھیں مگر وہ بناتی گئی۔

''سر....السلام علیکم۔'' پرجوش سا نوجوان قریب آیا اور اسے پکارا تو وہ پلٹا۔ پھر اسے دیکھ کے مسکرایا اور ہاتھ ملایا۔

''میں کریم ذوالکفلی ہوں' سر!''

''اچھا....کیا کرتے ہو تم' کریم؟''

''سر میں پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہوں۔ اور یہ میری دوست ہے ہیلن جو کینیڈا سے آئی ہے۔'' وہ جذبات سے گلابی پڑتا کہہ رہا تھا۔

''کیا ہم سیلفی لے سکتے ہیں۔''

''شیور۔'' اس نے سر کو خم دیا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ وان فاتح نے ہاتھ سامنے باندھ لئے اور اسکرین میں دیکھ کے مسکرایا۔ لڑکا تصاویر اتارتا گیا۔ پھر جب اس نے کیمرہ نیچے کر لیا تو فاتح اس کی طرف گھوما۔

''تو تم پی ایچ ڈی ڈاکٹر ہو۔ کس چیز میں؟''

''کیمسٹری میں' سر۔'' خوشی سے بتایا۔

''کریم تمہیں معلوم ہے ہمارے ملک کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے؟''

نوجوان نے پہلے لڑکی کو دیکھا' پھر فاتح کو' پھر ذہن میں اس کی ساری تقاریر اور انٹرویوز دہرائے' اور جلدی جلدی بتانے لگا۔

''دھاندلی کے بغیر صاف شفاف انتخابات کی۔ اور....اور کرپشن سے پاک مضبوط اداروں کی۔ اور حکمرانوں کے احتساب کی۔''

فاتح ایک دم کھل کے ہنس دیا۔

''کریم!'' محظوظ انداز میں اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ ہمیں اس وقت تم جیسے پڑھے لکھے نوجوانوں کی سیاست میں ضرورت ہے.....!'' پھر اس کا کندھا تھپکا' اور مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں لاجواب سے....دم بخود سے....اس کو جاتے دیکھ رہے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ توانا اور مضبوط آدمی اب ریت پہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''اسی لئے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' لڑکی نے نوجوان کو کہتے سنا تو سر کو جنبش دی۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

ساحل پہ چند سیاحوں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اب وہ دوڑ دوڑ کے اس کے پاس آ رہے تھے۔ فاتح مسکرا کے تصاویر بنوانے رک گیا تھا۔ دوپہر کا سورج اب ڈھل رہا تھا۔

☆......☆......☆

بوکیت چائینہ (چینی پہاڑی) ایک اونچی پہاڑی تھی جو سیاحوں کا مسکن تھی۔ یہاں صدیوں پہلے چینی شہزادی 'یان سوفو' کا محل ہوا کرتا تھا اور ایک کنواں بھی جو اس کے لئے سن باؤ نے کھدوایا تھا۔ شہزادی یان سوفو چینی بادشاہ کی بیٹی تھی جسے اس کے باپ نے کنیزوں اور

خادموں کے ساتھ ملاکہ کے سلطان مرسل سے شادی کرنے بھیجا تھا۔ سلطان نے ان کے آتے ہی یہ پہاڑی اور اس کے محلات چینی لوگوں کے لئے مختص کر دیے تھے۔ شہزادی سلطان سے شادی کر کے ملکہ بن گئی جبکہ اس کی کنیزوں اور باقی دستے نے مقامی لوگوں سے شادی کی اور یہیں آباد ہو گئے۔

وہ کنواں وانگ لی نے شہزادی کے لیے کھدوایا تھا۔ جب شہزادی سلطان سے شادی کے لیے آئی تو بادشاہ نے وانگ لی کو بطورِ خاص چین سے ملاکہ شہزادی کے ہمراہ روانہ کیا تھا۔ کنواں اب ایک سیاحتی مرکز تھا اور کہتے تھے' جو اس میں ایک دفعہ سکہ اچھالتا ہے' وہ دوبارہ ملاکہ دوبارہ ضرور آتا ہے۔

تالیہ نے البتہ سکہ نہیں اچھالا تھا۔ وہ کنویں کے کنارے خاموش کھڑی تھی۔ گھٹنوں تک آتی فراک نما قمیض پہ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ اردگرد سیاح گھوم پھر کے تصاویر اتار رہے تھے اور دوسری متبرک اشیاء دیکھ رہے تھے۔

''چے تالیہ۔'' ایڈم کی آواز پہ وہ پرسکون سی پلٹی۔

وہ سادہ سا ملے لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ عام سی پینٹ شرٹ پہنے' چہرے پہ سفر کی تھکان' آنکھوں میں سنجیدگی۔ تالیہ سے عمر میں چار پانچ سال چھوٹا ہی ہوگا۔ اسے اس پہ غصہ نہیں آیا۔ بس کندھے اچکا کے بولی۔

''کیا چاہتے ہو؟''

''میرے پاس سکہ ہے۔ آپ کے پاس دوسرا ٹکڑا۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''تم مجھے سکہ دے دو۔ میں سرکار سے تمہیں بونس دلوا دوں گی۔''

''یعنی آپ واقعی رائل ملائیشیاء پولیس کی آفیسر تاشہ ہیں۔'' اس نے شک وشبہہ سے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔

''ہاں ایڈم اور وان فاتح کی حفاظت کے ساتھ ساتھ' مجھے اس خزانے کو بھی ڈھونڈنا ہے جس کی وجہ سے لوگ فاتح صاحب کے پیچھے پڑے ہیں۔'' وہ پراعتماد تھی۔ لہجہ بھی نرم تھا۔ ایڈم کا یقین ڈانواڈول ہونے لگا۔

''اور خزانہ کہاں جائے گا؟''

''سرکار کی امانت ہے تو ظاہر ہے سرکار کے پاس جائے گا۔ مگر خزانہ ڈھونڈنے پہ ہمیں انعام میں معاوضہ بھی ملے گا۔''

''تو مزید کوئی آفیسر کیوں نہیں ہے آپ کے ساتھ؟''

تالیہ کے ماتھے پہ سلوٹ پڑی۔ وہ دو قدم قریب آئی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

''اول تو مجھے کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں' اور دوم۔ مجھے کسی دوسرے پہ اعتبار نہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ کوئی بھی آفیسر لالچ میں میری جان لے کر خزانے کے ساتھ فرار ہوسکتا ہے۔''

''اور آپ خود بھی تو یہ کام کرسکتی ہیں۔''

''اگر کرسکتی ہوتی تو اتنا بڑا کیس مجھے میرے سینئرز دیتے؟'' وہ ترکی بہ ترکی جوابات دے رہی تھی۔ ایڈم چپ ہوگیا۔ دونوں کنویں کے پاس آمنے سامنے کھڑے تھے اور ان کے اوپر آسمان پہ سورج ڈھلتا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں سکہ دے دوں گا' مگر آپ مجھے خزانے کی جگہ پہ ساتھ لے جائیں گی۔ ہم دونوں خزانہ ایک ساتھ ڈھونڈیں گے۔ اور پھر سرکار کے حوالے کردیں گے۔'' وہ سوچ کے بولا۔ ساتھ تھوک بھی نگلا۔ اندر کہیں وہ اس لڑکی کے رعب میں بھی تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے' میں خود سب کچھ کرلوں گی۔ بس تم مجھے سکہ دو۔''

''چے تالیہ.... اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ پہ اعتبار کروں تو آپ کو بھی مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔''

''مجھے تم پہ اعتبار ہے' ایڈم!'' تالیہ نے لہجہ نرم کیا۔ اسے احتیاط سے کام لینا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم کہ آپ سکہ لے کر فرار نہیں ہوجائیں گی؟''

''میں کیا کروں جو تم میرا اعتبار کرو؟''

''آپ چابی کا دوسرا حصہ مجھے دے دیں۔''

تالیہ کا تو مانو سر ہی گھوم گیا ''کیا مطلب؟ کیوں دے دوں؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟''

''میں کچھ دیر ان دونوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں تاکہ یہ دیکھ لوں کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے پہ اعتبار ہے یا نہیں۔''

''اور تم جو چابی لے کر بھاگ جاؤ؟''

''چے تالیہ' میں سچا انسان ہوں۔ دھوکہ نہیں دوں گا آپ کو۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی نہیں دے سکتیں تو میں کیسے یقین کروں کہ خزانے کا انعام مجھے دیں گی؟''

اس بات پہ وہ چپ ہوگئی۔

''میں ابھی اس سکے کے ساتھ تھانے جارہا ہوں۔ لیکن اگر آپ مجھے چابی کا دوسرا حصہ تھمادیں تو میں کسی اور کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ کی اگلی کال کا انتظار کروں گا۔ ہم اکٹھے خزانہ ڈھونڈنے جائیں گے۔''

''اگر تم کسی تھانے گئے تو میرا پراجیکٹ فیل ہوجائے گا۔ بہت سے لوگ انوالوڈ ہوجائیں گے۔ اوپر والے مجھ سے خفا ہوں گے۔ جاب کے بھی کچھ پروٹوکولز ہوتے ہیں' ایڈم۔'' وہ چڑ گئی۔ کیا چیز تھا یہ لڑکا؟ اسے گھمائے جارہا تھا۔

''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ چابی آپ نے مجھے دے دی تھی۔ مگر میرا اعتبار کمانے کے لیے آپ کو یہ کرنا ہوگا ورنہ سکہ میں نہیں دوں گا۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔ وہ سکہ چرا نہیں سکتی تھی۔ زبردستی چھین بھی نہیں سکتی تھی۔ ایڈم کو وہ سکہ اپنی رضامندی کے ساتھ تالیہ کو دینا تھا۔ اب وہ کیا کرے؟ ایڈم کو نہیں معلوم خزانہ فاتح کے گھر میں ہے۔ اور اس کا خواب.... اس کے مطابق وہ دونوں اکٹھے خزانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ یعنی اسے اب اپنے خواب کے آگے ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ اسے ایڈم کے ساتھ خزانہ شیئر کرنا ہوگا۔

''ٹھیک ہے۔ میں خزانے کی جگہ پہنچ کے تمہیں بلالوں گی۔ تب تک تم اس چابی کو رکھ سکتے ہو۔'' اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور سنہری زنجیر میں پروئی ڈلی نکال کے اس کی طرف بڑھائی۔ ''لیکن یاد رکھنا' اگر تم اس کو لے کر بھاگے تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی تم یاد رکھو گے۔''

''میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ امانت لوٹا دوں گا۔'' اس نے زنجیر تھام لی۔ تالیہ کا دل ڈوب کے ابھرا مگر اسے رسک لینا تھا۔

''مگر یاد رکھنا۔ تم دونوں حصوں کو آپس میں نہیں جوڑو گے۔ یہ کام میں خود کروں گی۔ سنا تم نے' ایڈم؟ تم چابی کو نہیں جوڑو گے۔'' تنبیہ کرتے ہوئے اس نے بریسلیٹ چھوڑ دیا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں' میں اسے نہیں جوڑوں گا۔'' اس نے احتیاط سے اسے اپنی جیب میں ڈال دیا۔

''تم مجھے جھوٹا کہتے ہونا' ایڈم۔ چلو آج میں تمہاری سچی زبان پہ بھروسہ کر کے دیکھتی ہوں۔ رات کو میں تمہیں جہاں بلاؤں' وہیں آجانا۔''

ایڈم نے سر کو خم دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو وہ بول اٹھا۔

''آپ یان سوفو کے کنویں میں کوئی سکہ نہیں اچھالیں گی؟ کہتے ہیں اگر دوبارہ ملاکہ آنا ہے تو سکہ اچھالنا ہوگا۔''

وہ رکے بغیر بے گانگی سے بولی۔ ''میں دوبارہ ملاکہ آنا ہی نہیں چاہتی۔ یہ کیس ختم ہو تو میں ریٹائرڈ ہو جاؤں گی۔ دور کسی جزیرے پہ گھر بناؤں گی۔ بس۔'' اور اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ گئی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہی اس نے موبائل نکالا اور اسکرین پہ چند بٹن دبائے۔

ایڈم کی جیب میں جو ننھا سا جی پی ایس ٹریسر اس نے ڈالا تھا' وہ آن ہو گیا تھا۔ وہ جہاں بھی جائے گا' تالیہ کو معلوم ہوتا رہے گا۔ وہ کسی تھانے یا کسی مشتبہ ایڈریس پہ جائے گا تو وہ جان جائے گی۔ اس سے زیادہ کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ جو چابی اتنے برس بعد بھی گھوم پھر کے اس کے پاس آگئی تھی' ایڈم اس کو اس سے نہیں چھین سکتا تھا۔

سوچوں میں گم اس نے کار اسٹارٹ کی۔

اس کا بیک پیک فرنٹ سیٹ پہ خاموش رکھا تھا۔ اندر کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ تالیہ نے رکھی ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

شام ڈھل گئی اور ملاکہ پہ رات اتر آئی۔

سن باؤ کے گھر والی گلی میں رات کے ہنگامے جاگ اٹھے۔ بتیاں جگمگانے لگیں اور گاہکوں کا رش ریستورانوں کے برآمدوں میں بڑھتا گیا۔ ایسے میں سڑک کنارے ایک کیفے کے باہر تالیہ مراد اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے بیٹھی تھی۔ بیک پیک ساتھ رکھا تھا اور بار بار اخبار کا کونہ موڑ کے سن باؤ کے گھر کو دیکھتی تھی۔

گھر کا دروازہ بند تھا اور باہر فاتح کی کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ابھی ابھی واپس آیا تھا اور تالیہ کو امید تھی کہ اب وہ کوالالمپور جانے کے لئے نکل جائے گا۔ صبح پارلیمان کا اجلاس تھا اور فاتح کو لازمی وہاں پہنچنا ہوگا۔

بالآخر دروازہ کھلا اور وان فاتح سفری بیگ سمیت باہر آتا دکھائی دیا۔ اسی سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے وہ عجلت میں لگ رہا تھا۔ پھر اس کی کار زن سے تالیہ کے ساتھ سے گزر گئی تو اس نے سکون کی سانس خارج کی۔

اب اسے تھوڑی دیر مزید انتظار کرنا تھا جب گلی میں رش ختم ہونے لگے....اور وہ اندر جا سکے۔ آج واردات کی رات تھی۔ راستہ صاف تھا۔ اس نے اخبار نیچے کیا اور ویٹر کو آرڈر لکھوانے لگی۔ ہاٹ چاکلیٹ۔

وان فاتح ڈرائیو کرتے ہوئے چند گلیاں آگے آیا تھا کہ موبائل بجنے لگا۔ اس نے ڈیش بورڈ سے فون اٹھا کے دیکھا۔ ایڈم کا نمبر جل بجھ رہا تھا۔ جانے کس وقت ایڈم نے اپنا نمبر اس کے فون میں فیڈ کیا تھا۔ اب وہ ملازم نہیں رہا تھا تو یقیناً اگلی نوکری کی بات کرنا چاہتا ہوگا۔ اس سے نہیں ہوتے تھے یہ کام۔ بے زاری سے اس نے فون پرے ڈال دیا۔

وہ دوبارہ بجنے لگا۔ اب کے اس نے برہمی سے موبائل اٹھایا تو دیکھا' اس کا پیغام آیا پڑا تھا۔ فاتح نے کار کی رفتار آہستہ کی اور پیغام کھولا۔

''سر' میں ملاکہ میں ہوں۔ آپ کے گھر کے قریب۔ مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔ چے تالیہ کے بارے میں۔ پلیز مجھ سے مل لیں۔''

فاتح کی آنکھیں پرسوچ انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ کال دوبارہ آنے لگی تو اس نے فون اٹھا لیا۔

''ہاں ایڈم.... بولو۔''

''سر.... میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟'' وہ بے قراری سے بولا۔

''ایڈم مجھے لمبا سفر کرنا ہے' تم....''

''سر آپ مجھے اتنا تو جانتے ہیں نا کہ اس بات پہ یقین کر سکیں کہ میں آپ کو کسی بے کار کام کے لئے نہیں روکوں گا۔'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ فاتح نے گھڑی دیکھی۔

''میں جونکر اسٹریٹ کے کارنر تک آ رہا ہوں۔ میرے پہنچنے تک اگر تم پہنچ جاؤ تو ٹھیک' ورنہ میں آگے نکل جاؤں گا۔''

''میں ابھی آیا۔'' شاید وہ فوراً بھاگ پڑا تھا۔ فاتح نے رفتار آہستہ کی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

دس بجنے والے تھے....

واپس سن باؤ کے گھر والی گلی میں آؤ تو تالیہ کا ہاٹ چاکلیٹ کا گلاس ان چھوا رکھا تھا اور چوکنی نظریں سرخ گھر کے دروازے پہ جمی تھیں...

پھر اس نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑی ہوئی....

چوک پہ فاتح نے کار ایک طرف روکی' پھر اے سی فل کھول دیا اور گھڑی دیکھی۔ وہ چند منٹ ایڈم کی بات سننے رک سکتا تھا۔ خیر ہے۔ مگر دو منٹ بھی نہیں گزرے جب فرنٹ ڈور پہ دستک ہوئی پھر ایڈم تیزی سے اندر بیٹھا۔

''سر' میں جانتا ہوں آپ سوچ رہے ہوں گے کہ....''

''پہلے سانس لو' ایڈم۔'' اس نے آرام سے کہا تو ایڈم رکا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ خود پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ پھر وقت ضائع کیے بغیر وہ بولنے لگا۔ ''سر.... کیا آپ اس کو پہچانتے ہیں؟''

ایڈم نے جیب سے دونوں چیزیں نکال کے اس کے سامنے رکھیں۔ فاتح نے چونک کے دیکھا۔ ایک عصرہ کا بریسلیٹ تھا اور دوسرا سکہ۔ اس نے بھنویں اچنبھے سے اکٹھی کیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''سر' یہ مجھے چے تالیہ نے دیا ہے۔''

فاتح کے ماتھے پہ بل پڑے اس نے بریسلیٹ اٹھایا اور الٹا پلٹا کے دیکھا۔ ''یہ عصرہ کا ہے۔''

''سر.... یہ اور سکہ ملا کر.... چابی بن جاتا ہے۔ یہ چابی....'' وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ فاتح نے سکہ اٹھایا' اور اس کو ٹیڑھا کیا۔ سوراخ نظر آیا تو اس نے ڈلی کو اندر ڈال دیا۔ ہلکے سے کلک کی آواز آئی اور چابی مکمل ہوگئی۔ ایک لمحے کو وہ تیز چمکی اور پھر ٹھنڈی پڑ گئی۔

وہ لمحہ امر ہوگیا.....

''نہیں سر.... یہ جوڑنی نہیں تھی۔'' ایڈم فکرمند ہوا۔ ''چے تالیہ نے منع کیا تھا؟''

''مجھے مت بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ' یہ اس لڑکی کے پاس کیسے آیا؟''

وہ بھنویں بھینچے اس چابی کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ اس پہ ہندسے سے ابھر رہے تھے۔ 1437

''آپ چے تالیہ کو تاشہ اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ ان کا اصل نام ہے؟ کیا وہ کوئی پولیس آفیسر ہیں؟'' اس نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ چونکا۔ ''وہ ایک زمانے میں تھیٹر کی کوئی ایکسٹرا ایکٹرس ہوا کرتی تھی اور اس نام کا ایک کردار کرتی نظر آئی تھی۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔

''تو وہ.... واقعی.... پولیس آفیسر نہیں ہیں؟''

فاتح نے بھنویں بھینچے ناگواری سے اسے دیکھا۔ ”مجھے شروع سے بتاؤ یہ سب کیا چل رہا ہے۔“

کار سڑک کنارے کھڑی تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف ترچھے ہوئے بیٹھے تھے۔

ایڈم نے تھوک نگل کے خشک گلا تر کیا اور بولنا شروع کیا۔

سچ سچ۔ سب کچھ۔

☆......☆......☆

گلی میں رش اب ماند پڑ گیا تھا۔ دکانیں ابھی تک کھلی تھیں مگر گہما گہمی کم ہو چکی تھی۔ تالیہ اپنا ہاٹ چاکلیٹ اَن چھوا چھوڑ کے اب سن باؤ کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔

دروازے پہ تالہ تھا۔ اس نے اس میں لاک پک گھسائی، اور چند لمحوں میں تالہ کھل گیا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک پہ کوئی بھی اس طرف متوجہ نہ تھا، اور جتنے اعتماد سے وہ دروازہ کھول رہی تھی، اسے کسی نے دیکھ کے بھی گھر کی مالکن پہ محمول کیا ہوگا۔

اندر گھر سنسان اور اندھیر تھا۔ اس نے پنسل ٹارچ آن کی اور روشنی اطراف میں ڈالتی آگے بڑھنے لگی۔

کنواں کونے میں خاموش پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس تک آئی اور اس کے دہانے سینے کے بل الٹی لیٹی اور کنویں کی دیوار کو اندر سے چھوا۔ وہاں دیوار میں کھدے ننھے ننھے سے زینے تھے جن کی مدد سے نیچے اترا جا سکتا تھا۔ اس نے عصرہ کی ویب سائٹ پہ پڑھا تھا کہ سن باؤ کے کنویں میں قدیم لاک سسٹم تھا، ان زینوں کی مدد سے جب اس کو کھولا گیا تو اندر چند پرانے سکے اور سن باؤ کے استعمال کی چیزیں ملیں جن سے معلوم ہوا کہ یہ گھر واقعی سن باؤ کا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی کہ ان ننھے ننھے سوراخوں میں کچھ اور بھی ہوگا۔

سینے کے بل لیٹی وہ کنویں کے اندر جھکی۔ چوٹی الٹی ہو کے نیچے لٹکنے لگی۔ وہ تین سوراخ تھے۔ اتنے بڑے جتنی ایک اینٹ ہوتی ہے۔ گویا اینٹ کی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی۔ اس نے پہلے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔ وہ خالی تھا۔

وہ اٹھی اور کنویں کی منڈیر پکڑ کے اندر اتری۔ احتیاط سے پہلے سوراخ میں ہاتھ رکھے، اب وہ کنویں کے اندر لٹکی نظر آ رہی تھی۔

دوسرے ہاتھ سے اس نے دوسرا سوراخ ٹٹولا۔ وہ بھی اندر سے خالی تھا۔

اسے پسینہ آنے لگا۔ پیر کو دیوار کے ایک ابھرے پتھر پہ جمایا اور مزید نیچے اتری۔

اب تیسرا سوراخ اس کے سامنے تھا۔ تالیہ نے دھڑکتے دل سے اس میں ہاتھ ڈالا۔

یہ سوراخ زیادہ اندر تک گہرا تھا۔ آس پاس بے تحاشا کائی جمع تھی۔ اندر کوئی پتھر سا پڑا تھا جو مٹی میں جما ہوا تھا۔ وہ زور سے اسے کھینچنے لگی۔ مگر وہ نکل کے نہیں دے رہا تھا۔

چند فٹ نیچے کنویں کا پانی جمع تھا۔ عجیب حبس زدہ ماحول تھا۔ اسے پسینے آنے لگے۔ پھر پیر سے بندھا خنجر نکالا اور اندر سوراخ میں مارنے لگی۔ یہاں تک کہ پتھر علیحدہ ہو گیا۔ اس نے پتھر باہر نکالا اور دیوار کی اینٹوں کو پکڑے واپس اوپر چڑھ آئی۔

باہر آ کے اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔ صحن اندھیرے میں ڈوبا تھا سوائے ٹارچ کی روشنی کے۔ تالیہ نے روشنی پتھر پہ مرکوز کی جس پہ کائی جمع تھی اور اسے صاف کرنے لگی۔

بدقت پتھر کی سطح واضح ہوئی۔ اس پہ قدیم جاوی رسم الخط میں ایک عبارت کھدی تھی۔ کائی نے عبارت میں سبز رنگ بھر دیا تھا۔

''تکن ملایو پلانگ دی دنیا۔'' (ملے قوم کبھی بھی دنیا سے غائب نہیں ہوگی۔)

یہ ہانگ تواکا مشہور قول تھا جس کو یاد کرتے کرتے ملے بچے بڑے ہوتے تھے۔

''تکن ملایو پلانگ دی دنیا۔'' اس نے سوچتے ہوئے الفاظ دہرائے۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ یہ کوئی نشانی تھی۔

کوئی پہیلی۔

کیا مطلب ہوا اس کا؟

ملے نسل کبھی بھی دنیا کے چہرے سے غائب نہیں ہوگی۔

ملے نسل کبھی بھی غائب نہیں ہوگی۔

ملے نسل کبھی بھی مٹے گی نہیں.... غائب نہیں ہوگی....

اس نے آنکھیں کھولیں۔ الفاظ دوبارہ دیکھے مگر اب وہ ان کو پڑھ نہیں رہی تھی۔ وہ اس انداز کو دیکھ رہی تھی جس میں وہ لکھے تھے۔ تیر کی صورت۔ آخر میں چھوٹے ہو جاتے۔ جس پوزیشن میں پتھر پڑا تھا' اس لحاظ سے وہ نیچے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

تالیہ مسکرائی اور نیچے کنویں میں جھانکا جہاں پانی کسی بھرے ہوئے گول تھال کی صورت نظر آ رہا تھا۔

وہ پتھر کنویں کے اوپر لائی اور اسے گرا دیا۔ پتھر نے پانی میں ڈبکی کھائی اور لمحے بھر کو سکوت چھا گیا۔

وہ سر جھکائے دیکھتی رہی۔ فلیش لائٹ پانی پہ تان رکھی تھی۔

دھیرے دھیرے پانی سمٹتا گیا۔ گھٹتا گیا۔ جیسے سوکھ رہا ہو۔ یہاں تک کہ اس کی سطح نیچے ہوتی گئی۔ کائی زدہ دیواریں برہنہ ہونے لگیں۔ وہ نیچے جاتا گیا اور بالآخر.... وہ ''غائب'' ہو گیا۔

غائب.... یہی نشانی تھی۔

وہ کنویں میں جھانک رہی تھی کہ صحن کے دوسرے کونے میں گڑگڑاہٹ ہوئی۔ وہ چونک کے گھومی۔ مخالف طرف.... مجسمے کے ساتھ... زمین میں کچھ ابھرا تھا۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

وہ لکڑی کا ایک ٹریپ ڈور تھا۔ جیسے فرش میں لگا ڈھکن ہو۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ یہ پہلے یہاں نہیں تھا۔ مگر اب وہ کائی زدہ ڈھکن یوں نظر آ رہا تھا گویا صدیوں سے یہیں موجود ہو۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ خزانہ کنویں کے نیچے نہیں تھا۔ خزانہ اس کے نیچے تھا۔

اس نے ڈھکن اٹھایا۔ وہ آرام سے اٹھ گیا۔ تالیہ نے روشنی نیچے پھینکی۔ وہاں زینے تھے جو نیچے گم ہو رہے تھے۔ آخر میں مدھم سا ایک دروازہ تھا۔ اسے دروازے کی چابی چاہیے تھی۔ اُف ایڈم۔

''ایڈم۔ کہاں ہو تم؟'' اس نے فون ملایا اور اس کی آواز سنتے ہی بولی۔

''میں جونکر اسٹریٹ پہ ہوں۔ کیا آپ کو خزانہ مل گیا۔''

''ہاں۔ تم سن باؤ کے گھر آؤ۔''

''آپ سن باؤ کے گھر ہیں؟ وان فاتح کے گھر؟''

''ہاں۔ ڈونٹ وری وہ چلے گئے ہیں۔ تم جلدی آؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔ اور سنو۔'' آخر میں قدرے غرائی۔ ''اگر تم نے کسی بھی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں دنیا کے آخری کونے تک تمہارا پیچھا کروں گی' ایڈم۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولا تھا۔

تالیہ نے بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور زینے اترنے لگی۔ ٹارچ کی روشنی اپنے آگے پھینکتی جا رہی تھی۔ سنہری چوٹی بنائے' منی کوٹ اور لمبی قمیض پہنے لڑکی بہت پر جوش لگ رہی تھی۔

سیڑھیاں ایک دروازے پہ جا کے ختم ہو گئیں۔

وہ لکڑی کا قدیم دروازہ تھا۔ اس پہ عجیب و غریب سے ہندسے لکھے تھے.... یہی تھا خزانے کا راستہ۔

یہی تھا اس کا وہ آخری موقعہ.... وہ آخری واردات جس کی وہ کب سے منتظر تھی۔

جزیرے کے اوپر وہ اونچا محل.... وہ پرسکون زندگی....

ان سب خوابوں کی تکمیل کا وقت آن پہنچا تھا۔ وہ جانتی تھی اس نے ایڈم کو چابی دے کر خطرہ مول لیا ہے' مگر اس کے خواب سچ بولتے تھے ہمیشہ۔ ان کے مطابق ایڈم اور وہ اس کھوج میں اکٹھے تھے۔ وہ اس کو بھی حصہ دے دے گی۔ دس فیصد۔ بس یہی بہت ہے۔

اب وہ دروازے کے ساتھ کھڑی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ موبائل اسکرین کے مطابق ایڈم کا ٹریسر جونکر اسٹریٹ سے چل پڑا تھا اور اب وہ قریب ہی تھا۔ ایڈم نے دھوکہ نہیں دیا۔ گڈ۔ وہ پر جوش سی دروازے کی سطح پہ ہاتھ پھیرنے لگی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

اندر کیا ہو گا؟ ضروری نہیں ہے کہ سونے چاندی کے ڈھیر ہوں۔ اونہوں۔ ان سے بھی کچھ زیادہ بیش قیمت ہو گا اندر۔ جیسے

نوادرات۔قدیم آرٹ۔سکے۔برتن۔زیورات۔مجسمے۔کروڑوں کے بکتے تھے یہ سب۔اگر یہ خزانہ سن باؤ کے دور کا تھا یعنی پندرھویں صدی کے وسط کا' تو قریباً چھ سو سال قدیم تھا۔بلیک مارکیٹ میں وہ باری باری سب کو فروخت کر دے گی' اور تمام رقم آف شور منتقل کر کے وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ڈن۔

دروازے پہ آہٹ ہوئی اور ایڈم کی آواز آئی۔"چے تالیہ؟"

"نیچے آجاؤ ایڈم۔" اس نے دروازے پہ لکھے ہندسے پڑھتے ہوئے پکارا۔

"یہ آپ نے کھودا ہے؟" ایڈم نے سیڑھیوں کے اوپر سے جھانکا تو اس نے گردن اٹھائی۔

"باتوں کا وقت نہیں ہے۔مجھے چابی دو۔" اس کا سرخ سپید چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا۔

اوپر کھڑے ایڈم کے چہرے پہ ہیجان سا ابھرا۔

"چابی جوڑ دی گئی ہے۔دونوں ٹکڑے جڑ گئے ہیں۔"

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آنکھوں میں غصہ در آیا۔"واٹ؟ تم....اسٹوپڈ....میں نے منع کیا تھا نا تمہیں؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم اس کو جوڑو۔"

"اس کی نہیں....میری ہمت ہوئی ہے۔" ایڈم کے پیچھے سے کوئی نکل کے سامنے آیا۔

تالیہ بنتِ مراد پتھر ہو گئی۔

وہ فاتح تھا۔

اس کا سانس رک گیا۔بے اختیار وہ دروازے کی طرف سمٹی۔مگر اب فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا زینے اترنے لگا۔

تالیہ کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔اس نے بے یقینی سے فاتح کے پیچھے آتے ایڈم کو دیکھا جس کے چہرے پہ افسوس تھا۔

"آپ نے مجھ سے سچ نہیں بولا تو میں نے باس سے سچ بول دیا۔"

وان فاتح اس کے عین سامنے آن رکا۔سلگتی' سخت نظریں اس پہ جمی تھیں۔تالیہ کی کمر دروازے سے لگی تھی۔بدقت تھوک نگلا۔

"توانکو!"

"تم....میرے گھر میں....کیا کر رہی ہو؟"

"میں....میں ایک پولیس آفیسر ہوں اور...." اس نے بات بنانے کی کوشش کی مگر رنگت اڑی ہوئی تھی۔یہ سب بہت غیر متوقع تھا۔

"تم کوئی پولیس آفیسر نہیں ہو۔میں بتاتا ہوں تم کیا ہو۔" وہ اس کے قریب رکا اور چبا چبا کے بولا۔"لالچی' جھوٹی اور چور! یہ ہو تم!"

الفاظ تھے کہ کیا۔تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ چند گہرے سانس لیے۔تھوڑی دیر کے لیے سب خاموش رہے پھر اس لڑکی کی پیشانی پہ غصے سے سلوٹیں پڑنے لگیں۔افسوس اور طیش سے اس نے فاتح کے عقب میں زینے پہ کھڑے ایڈم کو دیکھا۔

''وہ عثمان....وہ اس دن تمہیں ٹریپ کر رہا تھا' مگر میں نے تمہیں بچایا' میں نے ہر موقع پہ تمہیں بچایا' اور یہ کیا تم نے میرے ساتھ۔چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔'' انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔(ایڈم کا دل جانے کیوں دکھا۔) پھر فاتح کو دیکھا۔''میں جو بھی ہوں اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ چابی میری ہے۔میرے بابا نے بنائی ہے۔یہ خزانہ بھی میرا ہے۔''

''یہ گھر میرا ہے۔تمہیں کس نے اجازت دی تھی تم یہاں کھدائی کرو؟'' وہ غرایا۔اتنا زور سے کہ وہ سہم کے ذرا پیچھے ہوئی' پھر دوبارہ ہمت کر کے گردن کڑائی۔

''گھر آپ کا ہے۔ نیچے دبا خزانہ نہیں۔اور میں نے یہاں کوئی کھدائی نہیں کی۔یہ خزانے کا راستہ ہے۔''

''اول تو اس گھر کے نیچے کوئی خزانہ نہیں ہے' اور اگر ہے بھی سہی تو وہ سرکار کا ہے۔وہ کسی میوزیم میں جائے گا۔''

تالیہ نے تڑپ کے اسے دیکھا۔''وہ میرا ہے۔اس پہ میرا حق ہے۔خیر یہ فیصلہ ہم کورٹ میں کریں گے۔مجھے میری چابی دیں۔میں جا رہی ہوں یہاں سے۔'' دوٹوک انداز میں ہتھیلی پھیلائی۔

''اور تمہیں لگتا ہے میں تمہیں ایسے جانے دوں گا؟ ایڈم!'' اس نے نظریں تالیہ پہ مرکوز رکھے اسے پکارا۔

''جی سر۔''

''پولیس کو کال کرو۔ابھی۔بتاؤ کہ گھر میں چور آ گیا ہے۔''

''جی باس۔'' اس نے فون نکالا تو وہ تڑپ کے بولی۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی۔یہ میرا حق ہے۔یہ میرا ہے۔'' اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔وہ دروازے کے ساتھ کھڑی تھی اور فاتح اس کے عین سامنے اسے غصے سے گھور رہا تھا۔

''ایڈم' میں کہہ رہا ہوں کال کرو پولیس کو۔''

''ایک منٹ۔'' وہ جلدی سے بولی۔دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔''پولیس کو مت بلاؤ۔ہم تینوں خزانہ بانٹ سکتے ہیں آپس میں۔''

فاتح نے گویا بے بسی سے دونوں ابرو اٹھائے۔''مجھے یقین نہیں آ رہا۔تم کیا چیز ہو؟''

''آپ کو الیکشن کے لیے پیسے چاہیے ہیں' ہے نا۔'' وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔''آپ گھر نہ بیچیں۔خزانے میں سے اپنا حصہ لے لیں۔بیس فیصد اور ایڈم بھی....'' ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔''دس فیصد رکھ سکتا ہے باقی میرا۔''

''صرف دس فیصد۔'' ایڈم نے برا سا منہ بنایا تو وان فاتح نے گردن گھما کے غصے سے اسے دیکھا۔

”کوئی خزانہ نہیں بانٹ رہا یہاں۔ اول تو یہاں کوئی خزانہ ہے نہیں‘ اور اگر ہوا بھی تو یہ ملک کی امانت ہے۔ تم پولیس کو بلاؤ۔“ پھر واپس گھوما تو وہ کھڑی بے بسی سے لب کاٹ رہی تھی۔

”تم آج جیل جا رہی ہو۔ ایک لمبے عرصے کے لئے۔ میں نے فائل والے واقعے کو جانے دیا مگر تم میرے گھر میں آ گئیں؟“

ایڈم موبائل پہ کہہ رہا تھا۔”سن باؤ کا گھر.... وان فاتح کا گھر۔ وہاں پولیس کی ضرورت ہے۔ ایمرجنسی ہے۔“ پھر تالیہ کو دیکھا۔”ایک چور گھس آیا ہے۔ جی‘ جلدی بھیجیں کسی کو۔“ دوسری طرف سے یقین دہانی کروا دی گئی تو اس نے فون ہٹا لیا۔ تالیہ نے صرف تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔ پھر فاتح کو دیکھا۔

”میں نے کوئی فائل نہیں چرائی آپ کی۔ اور کہاں ہے وہ فائل؟ ابھی کیا الزام لگائیں گے آپ پولیس کے سامنے مجھ پہ؟“

”میری بیوی کا بریسلیٹ۔“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سنہری چابی نکال کے لہرائی۔

”کیا ثبوت ہے کہ میں نے یہ چرایا ہے؟ یہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں پولیس کے سامنے انکار کر دوں گی۔“

”میری بات کے آگے تمہاری بات معتبر لگے گی کیا؟“ وہ بھنویں اکٹھی کیے برہمی سے کہہ رہا تھا۔

تالیہ نے سلگ کے ایڈم کو دیکھا۔”چھوڑوں گی نہیں میں تمہیں۔“

ایڈم نے اتنی ہی خفگی سے منہ بسورا۔”آپ نے اگر مجھ سے سچ بولا ہوتا تو....“

”تو تب بھی تم یہی کرتے‘ ڈفر۔ اس لئے اب چپ رہو۔“ جھڑک کے بولی تو وہ چپ ہو گیا۔

”تمہیں ایڈم کی نہیں اس وقت اپنی فکر کرنی چاہیے کیونکہ تم لمبے عرصے کے لیے جیل جا رہی ہو۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔”آپ مجھے جیل بھیج دیں مگر میں ایک دفعہ خزانہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دروازہ کھولنے دیں۔“

”اوہ۔ تمہارے خیال میں سو کالڈ خزانہ دیکھ کے میرا ارادہ بدل جائے گا؟“ وہ تلخی سے مسکرایا۔

”کیا آپ کو خود خوف ہے کہ خزانہ دیکھ کے آپ کا ارادہ بدل جائے گا؟ آپ دروازہ کھولنے سے ڈرتے ہیں کیا؟“ وہ اپنے حواسوں پہ قابو پا چکی تھی اور اب چیلنجنگ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ وہ لمحے بھر کو چپ ہوا۔

”مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ پولیس کے آنے تک دروازہ کھول کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن یہ مت سمجھنا‘ تم مجھے لالچ دے سکتی ہو۔“

”دیکھتے ہیں....“ وہ اسی انداز میں مسکرائی اور دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ یہ چیلینج.... یہ مسکراہٹ.... گویا کہہ رہی ہو پیسے سے کوئی بھی خریدا جا سکتا ہے.... یہ انداز وان فاتح کو اکسانے کے لئے کافی تھا۔ وہ قریب آیا اور دروازے کے تالے میں چابی گھسائی۔

"تم جیل جاؤ گی' سمجھ آیا۔" ایک نظر اسے دیکھا۔

تالیہ نے تعظیم سے سر ہلا دیا۔ "جو حکم....تو انکو!"

تالہ ایک بڑی سی زنجیر پہ لگا تھا اور زنجیر نے دروازے کو جکڑا ہوا تھا۔ فاتح نے چابی گھمائی تو ایڈم پریشانی سے پکار اٹھا۔

"سر....اس کو مت کھولیں۔ پتہ نہیں اندر کیا ہو۔"

تالیہ نے کھول کے اسے دیکھا۔ "تم تو چپ ہی رہو۔"

"میرے پاس گن بھی ہے' چے تالیہ۔" اس نے شرٹ اٹھا کے ہولسٹر میں لگا پستول دکھایا۔ "اگر آپ اس دروازے کے ذریعے فرار کا سوچ رہی ہیں تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔ فی الوقت میں وان فاتح کا باڈی مین ہی نہیں' باڈی گارڈ بھی ہوں۔"

تالیہ نے برہمی سے چہرہ موڑ لیا۔ فاتح صرف مسکرایا' بولا کچھ نہیں۔ وہ زنجیر اتار رہا تھا۔

"ویسے میرا نہیں خیال اندر کوئی خزانہ ہے۔ تم نے اپنا وقت اور زندگی صرف ضائع کی ہے' little thief۔" افسوس سے کہتے ہوئے اس نے دروازہ دھکیلا۔

آگے اندھیرا تھا۔ گھپ اندھیرا۔ تالیہ نے فلیش لائٹ کی روشنی پھینکی تو روش سی نظر آئی۔ پتھروں کی بنی خالی روش۔

فاتح نے ہاتھ بڑھایا۔ "ٹارچ!" بس یک لفظی حکم اور تالیہ نے چپ چاپ ٹارچ اسے تھما دی۔ اس نے روشنی آگے پھینکی اور اندر داخل ہوا۔

"سر ہمیں پولیس کا انتظار کرنا چاہیے۔" ایڈم بے بسی سے بولا مگر وہ دونوں چوکھٹ عبور کر چکے تھے۔ وہ بھی چارو ناچار پیچھے آیا۔ دروازے میں سے آخری داخل ہونے والا شخص ایڈم تھا۔ اس کے اندر آتے ہی دروازہ ہلکی سی آواز سے بند ہو گیا۔

راہداری تاریک تھی۔ کہیں ٹپ ٹپ کی آوازیں آرہی تھیں گویا پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ تینوں قطار کی صورت آگے بڑھتے گئے۔

"پھر؟ کہاں ہے تمہارا خزانہ؟" فاتح آنکھیں چھوٹی کیے اطراف میں دیکھتا روشنی آگے ڈال رہا تھا۔

"ہوگا۔ آگے ہوگا۔" وہ بے چینی سے بولی۔ دل تجسس سے لبریز تھا۔ اس کے خواب جھوٹے نہیں ہو سکتے تھے۔

ایک موڑ مڑ کے وہ آگے آئے تو راہداری چوڑی ہو گئی۔ دو مخالف سمتوں سے دو راہداریاں آ کے مل رہی تھیں اور دونوں میں پانی تھا۔ اتنا کہ پاؤں ڈوب جاتے۔ تالیہ کو عجیب سا احساس ہونے لگا مگر وہ رکی نہیں۔ وہ چلتی رہی۔

"پانی چل رہا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟" اسے وحشت سی ہو رہی تھی۔ پیر پانی میں ڈوب چکے تھے اور وہ عجیب پانی تھا جو لگتا تھا وائبریٹ کر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے۔

اوپر چھت سے قطرے زور زور سے بہنے لگے۔ ٹپ ٹپ۔ پھر تڑ اتڑ۔ تالیہ کو پہلی دفعہ لگا کچھ غلط ہے مگر نہیں....وہ ہار نہیں ماننے گی

۔خزانہ آگے ہوگا۔کسی محفوظ جگہ پہ۔

''تو کہاں ہے تمہارا خزانہ' تاشہ صاحبہ۔'' وہ جو سب سے آگے تھا' اور پانی برسنے کے باوجود آرام سے چلتا جا رہا تھا....طنز سے بولا۔تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھتی رہی۔وہ پانی سے بھری دونوں راہداریوں کے ملاپ پہ موجود تھی۔

یکا یک وہ ٹھہری۔بے یقینی سے اطراف میں دیکھا۔پھر اوپر۔جھماکے سے کچھ یاد آیا۔

دو دریاؤں کا سنگم۔برستی بارش۔اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے مدھم روشنی میں دیکھنا چاہا۔وہ تنگ سے دو دریا تھے۔زمین گدلی تھی۔اس کے پیر کیچڑ میں لتھڑ گئے تھے۔یہی تو اس کا خواب تھا۔دو دریاؤں کا سنگم۔

وہ چونک گئی۔اپنے پیروں کو دیکھا۔وہ پانی اور مٹی سے لتھڑے ہوئے تھا۔

اس کے خواب علامتی نہیں تھے۔وہ مستقبل کا عکس تھے۔ہو بہو۔

''رک کیوں گئی ہو؟ چلو۔میں تمہارے خزانے والے ڈرامے کا بھی فائنل شو ڈاؤن دیکھنا چاہتا ہوں۔آؤ۔'' وہ اسے رکتے دیکھ کے سختی سے بولا تو وہ چلنے لگی۔مگر حالت عجیب ہو رہی تھی۔اوپر چھت اندھیر تھی گویا آسمان ہو۔پانی ٹپ ٹپ برس رہا تھا۔وہ تینوں بھیگتے جا رہے تھے مگر چل رہے تھے۔

دوسری راہداری....یا دوسرا دریا...اب سکڑتا جا رہا تھا' یہاں تک کہ پتھروں سے بنی سوکھی روش نظر آنے لگی جیسی شروع میں دروازہ کھولتے ہی نظر آئی تھی۔اس کے آگے ایک اور دروازہ تھا۔ہو بہو پہلے جیسا دروازہ۔مگر نیا نکور۔لکڑی کی خوشبو تک آ رہی تھی۔

پانی ٹپکنا اب بند ہو گیا تھا۔

''تمہارا خزانہ تو نہیں آیا ابھی تک۔'' طنز سے بولتے ہوئے اس نے دروازے کے قفل میں چابی ڈالی۔تالیہ خاموش رہی۔ایڈم البتہ بے چین سا لگتا تھا۔

''سر...ہمیں واپس جانا چاہیے۔کیا پتہ آگے چے تالیہ کے لئے فرار کا راستہ ہو'ان کے گینگ کے ساتھی ان کا انتظار کر رہے ہوں۔''

''یہ فی الحال کہیں نہیں بھاگ سکتی۔'' تالہ کھول کے اس نے زنجیر اتاری۔چابی مدھم سی چمک رہی تھی۔تالیہ کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔اس پہ ہندسے ابھرے تھے۔863۔

''863؟'' وہ الجھن سے بولی۔ایڈم چونکا۔ہندسے اب مٹ رہے تھے۔

''اس دن اس پہ کوئی اور ہندسے ابھرے تھے 1437۔''

''1437؟'' تالیہ نے بے خودی کے عالم میں دہرایا۔فاتح نے دروازہ کھول دیا۔سامنے سیڑھیاں تھیں۔وہ تینوں چاہنے اور نہ چاہنے کے درمیان اوپر چڑھنے لگے۔جس وقت فاتح اوپر موجود ٹریم ڈور کا ڈھکن ہٹا کے پرے رکھ رہا تھا' تالیہ کے ذہن میں وہی الفاظ

گردش کر رہے تھے۔

چودہ سوسینتیس.... چودہ سوسینتیس....آٹھ سوتریسٹھ....

ایک جھماکے سے اسے یاد آیا تھا۔

داتن!

☆......☆......☆

دوروز قبل:۔

حالم کے گھر کے لاؤنج میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔پین کیک' خستہ کری پف اور دیگر اشتہا انگیز لوازمات میز پہ سجے تھے اور وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔تالیہ گھڑی دیکھ رہی تھی' اس کو عصرہ کی پینٹنگ بنانے جانا تھا' مگر داتن نے اسے روک رکھا تھا۔

''یہ کتاب....شکار بازوں کے متعلق ہے....'' وہ ایک قدیم کتاب دکھاتے ہوئے بتانے لگی۔تالیہ نے توجہ دینے کی کوشش کی۔

''اس کے مطابق ان کے پاس ایک علم ہے جس سے وہ ایک ایسی چابی بنا سکتے ہیں جو خزانے کا دروازہ کھول سکتی ہے۔''

''دیکھا۔یعنی خزانہ Exist کرتا ہے۔'' تالیہ چہک کے بولی۔

''تالیہ....'' داتن سنجیدگی سے آگے ہوئی۔''شکار بازوں کے مطابق وہ دنیا کے سب سے بڑے خزانے کا قفل کھول سکتے ہیں۔ جانتی ہو انسانوں کا سب سے بڑا خزانہ کیا ہے؟''

''کیا؟''

''وقت!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی تو تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''وقت؟''

''ہاں۔شکار بازوں کے مطابق....اگر وہ وقت کے دروازے کو کھول لیں تو وہ وقت میں سفر کر سکتے ہیں۔کسی مستقبل کے زمانے میں جا سکتے ہیں۔کسی ماضی کے عہد میں واپس پہنچ سکتے ہیں۔''

''داتن....'' اس نے لیانہ کو یوں دیکھا گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔''کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کر سکتا۔''

''تم نے بھی تو کیا تھا نا۔'' داتن نے کہتے ہوئے کتاب اس کی طرف دھکیلی۔تالیہ الجھن سے اس کو دیکھنے لگی۔

''میں نے کب؟''

''جب تم چرچ میں پہلی دفعہ مسز ماریہ کو ملی تھیں تو تمہارا لباس عجیب تھا اور تم عجیب لہجے میں بولتی تھیں۔تمہارے ماں باپ کا کوئی پتہ نہیں تھا' اور تم کسی گاؤں کا ذکر کرتی تھی۔کوئی تمہیں لینے نہیں آیا کیونکہ تمہارے ماں باپ....تمہارا گاؤں....وہ سب اس زمانے کے نہیں

تھے۔تمہارے بابا نے تمہیں ماضی کے کسی زمانے سے....اس دروازے کے پار بھیجا تھا...میں نہیں جانتی کیوں....لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ تم اکیسویں صدی کی لڑکی نہیں ہو۔تم کسی پرانے عہد سے آئی تھیں۔''

''ہیں؟'' اس کو واقعی داتن کی دماغی حالت پہ شک ہونے لگا تھا۔

''وقت کے سفر کا اصول ہے۔جو بھی روشنی کی رفتار سے تیز چل لے' وہ وقت کی قید سے دور نکل آتا ہے۔کسی اور زمانے میں۔اور پیچھے اس کا زمانہ وہیں منجمد ہو جاتا ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو۔''

''جس سکے کو تم ڈھونڈ رہی ہو وہ مظفر شاہ کے زمانے کا ہے یعنی قریباً چھ سو سال پہلے کا زمانہ۔تمہاری گردن کا یہ نشان بتاتا ہے کہ تم نے وہ دروازہ کھولا تھا۔یہ نشان صرف دروازہ کھولنے والوں کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔وقت کی مہر۔اور مجھے یقین ہے کہ یہ دروازہ تم نے مظفر شاہ کے زمانے میں کھولا تھا۔پندرہویں صدی کے وسط میں۔وہ وقت وہیں رک گیا تھا۔تم آگے نکل آئی تھیں۔اگر تم دوبارہ واپس جاؤ تو وہ دور وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے تم نکلی تھیں۔اسی لمحے' اسی دن سے۔یہاں جتنے سال بھی گزر جائیں' پیچھے وقت آگے نہیں بڑھا تھا۔''

''اور میں وہاں دوبارہ جاؤں گی کیسے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ اس چابی کے آگے کوئی خزانہ نہیں ہے۔یہ ایک دروازے کی چابی ہے' اگر تم نے اس کو کھول لیا تو آگے دو دریا ہوں گے۔وہی دو دریا جو تم نے خواب میں دیکھے تھے۔ماضی اور مستقبل کے دریا۔ایک دفعہ تم نے وہ دریا پار کر لئے تو وہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوگی۔میں اسی لئے تمہیں روکتی ہوں اس ملعون چابی کا پیچھا کرنے سے۔کیونکہ روانگی اور واپسی کا چکر پورا کرنے کے بعد چابی تحلیل ہو جائے گی۔دروازہ غائب ہو جائے گا۔تالیہ تم پندرہویں صدی میں واپس چلی جاؤ گی۔اسی دن میں جب تم گیارہ سالہ بچی کے طور پہ وہاں سے غائب ہوئی تھیں۔تم کبھی واپس نہیں آسکو گی۔'' وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔تالیہ نے بدقت اس کی باتوں کو ہضم کیا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ میں....پندرہویں صدی کی ایک لڑکی ہوں....''

''ہاں وہ خواب یاد کرو جو اپنے بابا کے بارے میں تم نے دیکھے....جنگل لکڑیاں...مشعلیں....موم بتیاں....تم کہتی تھیں نا کہ ان میں کچھ عجیب سا ہوتا ہے۔وہ زمانہ تھا۔قدیم زمانہ۔''

''یعنی کہ میں....پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو شکار باز بھی تھا اور اس نے مجھے خزانہ لینے وقت میں آگے بھیج دیا۔میں نے وہ دروازہ پار کر لیا اور میں سن 2000 میں آگئی۔اور اگر اب میں واپس جاؤں تو اسی دن میں واپس جاؤں گی جب میں گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ دروازے کو عبور کر گئی تھی۔''

''ہاں۔دروازے کے پار....یہی شہر یہی ملک ہوگا۔تمہارا گاؤں' تمہارے ماں باپ ہوں گے مگر زمانہ یہ نہیں ہوگا۔یہ

2016 ہے۔ وہ کوئی پندرہویں صدی کا سال ہوگا۔ تم وقت میں پھنس جاؤ گی۔ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔"

"تم واقعی ان ساری فضولیات پہ یقین رکھتی ہو' داتن؟"

جواب میں داتن آگے ہوئی اور سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ "یہ دنیا بہت عجیب ہے تالیہ۔ یہاں سب ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے سائنس اس کی وضاحت نہیں کرسکتی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے' لیکن اس لئے کہ سائنس کی عمر ابھی بہت کم ہے۔"

"کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا داتن۔ یہ صرف بےکار کی باتیں ہیں۔" اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہوائی جہاز کے بننے سے پہلے لوگ یہی سمجھتے تھے کہ انسان فضا میں اڑ نہیں سکتا۔ مافوق الفطرت چیزوں کا مذاق نہ اڑاؤ۔ اگر عقل ان کو سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہوتی نہیں ہیں۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں نے وہ قفل کھول لیا تو میں واپس اس زمانے میں پہنچ جاؤں گی جب میں پندرہویں صدی میں کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی تھی؟ اور میں وہاں پھنس جاؤں گی.... کیونکہ ایک چکر پورا کرنے پہ چابی تحلیل ہو جاتی ہے۔"

اس کی طنزیہ ٹون پہ داتن کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔ "میں جانتی ہوں یہ سب تمہارے لئے بہت انہونا ہے اور تم شاید اس پہ یقین نہ کرو لیکن...."

اور تالیہ ایک دم کھلکھلا کے ہنس پڑی۔

داتن کا منہ کھل گیا۔ تالیہ ہنوز گردن پیچھے کو پھینکے ہنستی جا رہی تھی۔ پھر سیدھی ہوئی اور محظوظ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا دیومالائی کہانیاں پڑھتی رہتی ہو تم داتن۔ ایسا کچھ نہیں ہوتا حقیقی دنیا میں۔ ہٹو بھئی۔" اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

پین کیک اور کری پف کی خستہ' اشتہا انگیز خوشبو وہیں پھیلی رہ گئی....

☆......☆......☆

فاتح نے لکڑی کا ڈھکن ہٹایا تو اوپر سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ تینوں باری باری باہر نکلے تو روشنی دیکھ کے لمحے بھر کو مبہوت رہ گئے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے دن جیسی روشنی؟

وہاں آس پاس اونچے درخت تھے۔ گھنے' سرسبز اور اونچے۔ دن نکلا ہوا تھا مگر درختوں کے باعث ٹھنڈی چھایا تھی۔ جیسے عصر کا وقت ہو۔

فاتح نے کلائی بلند کی اور گھڑی دیکھی۔ ڈیجیٹل واچ رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت بتا رہی تھی۔ اس کے ابرو چنبھے سے اکٹھے ہوئے۔ گردن گھما کے تالیہ کو دیکھا۔

"یہ کہاں لے آئی ہو تم ہمیں؟"

''یہ تو کوئی جنگل ہے۔'' ساکت کھڑا ایڈم بول اٹھا۔ تالیہ نے گردن اٹھا کے اوپر آسمان کو دیکھا۔

''یہاں روشنی کیوں ہے؟''

''یہی تو میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ کہاں لے آئی ہو ہمیں۔''

وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

''خزانہ....'' خشک گلے سے اس نے کہنا چاہا۔ ''دروازے کے پار خزانہ ہونا چاہیے تھا۔ کوئی قدیم خزانہ۔''

''سر' ہمیں واپس جانا چاہیے۔ مجھے تو یہ عجیب سی جگہ لگ رہی ہے۔'' ایڈم قدرے پریشانی سے بولا اور واپس مڑا۔ مگر پھر وہ دھک سے رہ گیا۔

''مجھے خزانے کی کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے۔'' فاتح درشتی سے تالیہ سے مخاطب تھا۔ وہ واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

''تو انکو' میرا خیال تھا یہاں خزانہ ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔ میرا یقین کریں۔''

''سر....'' ایڈم کی پھٹی پھٹی سی آواز آئی مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ غصے سے کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم لمبے عرصے کے لئے جیل جا رہی ہو' یہ تو طے ہے۔ مگر پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا کھیل کھیل رہی ہو تم ہمارے ساتھ۔''

''مجھے خود سمجھ نہیں آرہی۔ ہم تو نیچے گئے تھے۔ تو یہ جنگل کہاں سے شروع ہو گیا۔'' وہ پریشانی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

''سر....'' ایڈم حواس باختہ سا پکار رہا تھا۔ ''وہ دروازہ کہاں گیا جس سے ہم آئے تھے؟''

ان دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ زمین میں جہاں لکڑی کا ٹریپ ڈور (ڈھکن) تھا' جس کو ہٹا کے وہ اوپر آئے تھے' وہ اب وہاں نہیں تھا۔ کچی مٹی برابر تھی۔ وہ تینوں اونچے درختوں کے درمیان ایک جنگل میں کھڑے تھے۔

تالیہ نے بیگ نیچے پھینکا اور بے اختیار آگے بڑھی۔ ایک درخت سے دوسرے درخت تک۔ وہ ایک ایک تنے کو ہاتھ لگا کے ٹٹول رہی تھی جیسے کچھ کھوج رہی ہو۔ خزانہ۔ راستہ۔ کوئی نشان۔ مگر وہاں نہ بندہ تھا نہ بندے کی ذات۔

خاموش پرسکون درختوں کے جھنڈ جو ہر جگہ پھیلے تھے۔ اتنے گھنے درخت کہ چند میٹر دور تک کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اور اوپر ان کے پتے باہم گلے ملتے تھے۔ جیسے سبز چھت سی بنی ہو۔ چھت کے سوراخوں میں کہیں کہیں سفید آسمان جھلکتا تھا۔

''ایڈم' پولیس کو کال کرو اور اپنی لوکیشن دو۔'' اسے آگے دوڑتے دیکھ کے وہ برہمی سے بولا تو شل کھڑے ایڈم نے سیل فون نکالا۔ ''سگنل نہیں ہیں۔''

''میں خود کرتا ہوں۔'' فاتح نے اپنے فون کی اسکرین روشن کی۔ سگنل غائب تھے۔ اس نے ایس او ایس بھیجنے کی کوشش کی۔ بے

سود۔ اکتا کے چہرہ اٹھایا۔ سنہرے بالوں والی لڑکی پریشانی سے ایک درخت کے ساتھ کھڑی تھی۔

''ہم کہاں ہیں؟'' وہ بے یقین سی خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

''میرے سامنے اداکاری مت کرو' تالیہ۔'' اس کو اس کے نام سے پکار کے درشتی سے بولا۔ سفید شرٹ کے آستین چڑھائے' وہ ابرو بھینچے شدید بےزار لگ رہا تھا۔

''یہ کوئی جنگل ہے۔'' ایڈم نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ ''رین فاریسٹ۔''

''پانچ سو میٹر بھی نہیں چلے ہوں گے ہم۔ میرے گھر کے اتنے قریب کون سا جنگل ہے بھلا؟ مجھے بتاؤ تالیہ' یہ کون سی جگہ ہے۔ اور یہاں رات کے ساڑھے گیارہ بجے روشنی کیوں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم' تانکو۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ خزانہ' محل' جزیرہ۔ عیش و عشرت کی زندگی۔ سب جنگل کی خاک میں مل چکا تھا۔

''تم پہلے سے جانتی تھیں کہ یہاں کیا ہے۔ بتاؤ مجھے' سب کچھ بتاؤ۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں' مجھے نہیں معلوم۔ میرا اعتبار کریں۔''

''مجھے تمہارے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔'' فاتح نے سر جھکایا اور انگلیوں سے آنکھیں مسلیں' گویا چند لمحے کو سوچا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ چند منٹ تک وہ آگے چلتا گیا۔ درخت۔ درخت۔ نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ وہ اب غصے کے ساتھ ساتھ بےبسی بھی محسوس کر رہا تھا۔ واپس آیا تو وہ اسی طرح شل کھڑی تھی۔

''یہ کوئی الوژن ہے' ہے نا؟ اور تم illusionist ہو۔ تم نے یہ کسی فلم کا سیٹ بنایا ہے۔ ایک الوژن۔ جہاں تم جیسے لوگ شکار کو گھیر کے اس کو ذہنی طور پہ مفلوج کر کے اس کے راز' کریڈٹ کارڈ نمبرز' بینک پاسورڈز لے لیتے ہیں۔ کیا تم میرے ساتھ اس وقت یہی کر رہی ہو؟'' وہ برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تم ابھی تک مجھے con کر رہی ہو؟''

''میرا یقین کریں تانکو' مجھے نہیں معلوم یہ کون سی جگہ ہے۔'' وہ ایک دم زور سے چیخی۔ ساری اداکاری' سارے دکھاوے' سارے ملمعے غائب ہوگئے۔ وہ پریشان تھی۔ شدید پریشان۔

مگر فاتح نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں مان ہی نہیں سکتا کہ تم یہ سب نہ جانتی ہو۔''

ایڈم ان دونوں سے بےنیاز زمین پہ اس جگہ بیٹھا جہاں وہ ٹریپ ڈور تھا اور وہاں سے پتے اور لکڑی کی ٹہنیاں ہٹانے لگا۔ نیچے مٹی ہی مٹی تھی۔ وہ روہانسا ہو کر سیدھا ہوا۔ ''ہم واپس کیسے جائیں گے؟''

''وہ چابی۔ وہ چابی کہاں ہے؟'' وہ چونکی۔ فاتح نے اسے گھورتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا.... مگر مٹھی باہر نکالی تو اس میں راکھ تھی۔ پل بھر کو تو وہ ساکت رہ گیا۔ پھر بےیقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کیا تم نے وہ میری جیب سے نکال لی؟ کیا چیز ہو تم؟''

مگر تالیہ کی نظریں اس کی مٹھی میں موجود راکھ پہ جم گئی تھیں۔ چابی راکھ ہو گئی تھی۔ اس کا چکر پورا ہو گیا تھا۔

''نہیں!'' اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ شاید خواب ہے۔ یقیناً... میں خواب دیکھ رہی ہوں۔''

فاتح نے اکتا کے سر جھٹکا اور دوسری سمت میں آگے چلنے لگا۔ درخت در درخت۔ ایک مسلسل چڑیوں کے چہچہانے کا شور۔ دور پانی کے چلنے کی آواز گویا کوئی جھرنا بہہ رہا ہو۔ ہوا۔ آسمان۔ ہر شے حقیقی تھی۔ اس نے درختوں کو چھو کے دیکھا۔

''نہیں۔ یہ سچ نہیں ہو سکتا۔ ملاکہ میں ایسا کون سا جنگل ہے؟ یہ کوئی الوژن ہے۔ یہ لڑکی ڈرامہ کر رہی ہے۔'' اس نے موبائل فضا میں بلند کیا مگر وہ سگنل کیچ نہیں کر رہا تھا۔ وان فاتح کی فرسٹریشن اور بے چینی بڑھنے لگی۔

تالیہ ایک درخت کے تنے سے لگی، آنکھیں موندے کھڑی تھی۔

''یہ یقیناً ایک خواب ہے۔ ابھی میں جاگ جاؤں گی۔'' وہ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ دل میں بار بار کوئی کہتا کہ آنکھیں کھولو، مگر نہیں۔ یہ خواب ہی تھا۔ اس کا خزانہ اصلی تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ دروازے کے آگے سنسان ویران جنگل ہو۔ نہیں۔ وہ ابھی نیند میں ہے۔ جب وہ جاگے گی تو وہ وان فاتح کے گھر جائے گی۔ خزانہ کنویں کے نیچے تھا۔ وہ اسے ڈھونڈ لے گی۔

ایڈم ابھی تک زمین پہ بیٹھا ہاتھوں سے مٹی کھود رہا تھا۔ پھر کسی خیال کے تحت رکا۔ ''پولیس آنے والی ہو گی۔ اوہ ہاں۔ پولیس سیڑھیاں دیکھ لے گی اور یہاں پہنچ جائے گی۔'' اس کی رنگت بحال ہونے لگی۔ آنکھوں میں امید جاگی۔ ''شکر ہے میں نے ان کو فون کر دیا تھا۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑا ہوا۔

تبھی وان فاتح واپس آتا دکھائی دیا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور ناک پہ غصہ دھرا تھا۔ عین تالیہ کے سامنے آ کے رکا۔

''آنکھیں کھولو اور مجھے بتاؤ، لڑکی، کہ یہ سب کیا ہے؟''

تالیہ نے آنکھیں کھولیں۔ جنگل ایک ٹھوس حقیقت کی طرح اس کے گرد موجود تھا۔

''تو انکو...'' اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ذہن خواب کے مفروضے سے نکلا تو پریشانی پھر سے چھانے لگی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں.... میں نہیں جانتی یہ کون سی جگہ ہے۔ میں صرف خزانے کے لئے آئی تھی۔''

''مجھے کہانیاں مت سناؤ۔ مجھے سچ بتاؤ، تالیہ!'' وہ دو تین قدم قریب آیا اور اس کی آنکھوں میں برہمی سے دیکھا۔ تالیہ کے چہرے پہ بے بسی پھیل گئی۔

''میں کیا کروں جو آپ کو یقین آئے کہ میں بھی اتنی ہی ناواقف ہوں جتنے آپ ہیں۔ میں سچ بول رہی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

عجیب وحشت ناک جنگل تھا۔ عجیب ناراض شخص تھا۔

''سچ تالیہ' آخر آپ پورا سچ بتا کیوں نہیں دیتیں۔ آپ کو کہاں ملی یہ چابی۔ کس نے بتایا نیچے خزانہ ہے؟'' زمین پہ بیٹھا ایڈم جھلا کے بولا۔

''میں اس چابی کو خواب میں دیکھتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس کے پیچھے خزانہ ہے' مگر میری دوست کہتی تھی کہ خزانہ نہیں ہے بلکہ ....'' وہ ٹھٹک کے رکی۔ ایک دم شل ہوگئی ہو۔ ایسے جیسے کسی نے سر پہ بیلچہ دے مارا ہو۔

''بلکہ؟'' فاتح نے غور سے تالیہ کو دیکھتے ابرو اٹھائی۔

''نہیں۔'' تالیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ فضولیات بول رہی تھی۔ یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ بے یقین تھی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' کیا کہا اس نے؟''

''وہ کہتی تھی کہ.... اس دروازے کے پار دو دریا ہیں' ماضی اور مستقبل کے۔ ان کو پار کر کے میں وقت میں پیچھے چلی جاؤں گی۔ کسی قدیم عہد میں جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آسکوں گی۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے۔ کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا۔''

''ظاہر ہے کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا۔'' وہ اکتا گیا۔

''کرسکتا ہے۔'' ایڈم کی آواز پہ دونوں نے گردن موڑی۔

''آئن سٹائن کی تھیوری ہے نا۔ اگر روشنی کی رفتار سے تیز چلو تو انسان ماضی یا مستقبل میں جا سکتا ہے اور اس کی واپسی تک وقت رک جاتا ہے۔'' وہ تحیر سے کہتا آگے آیا۔ اس کی حیرت بھری نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''تو آپ واقعی پمبورو میں سے ہیں۔ پمبورو کے بارے میں ہم بچپن میں کہانیاں سنتے تھے۔ کہ وہ وقت میں سفر کر سکتے تھے۔ انہوں نے دروازے بنائے تھے جن میں چابی ڈالنے سے وقت کا قفل کھل جاتا تھا۔'' وہ بنا پلک جھپکے تالیہ کو دیکھتا قدم اٹھاتا قریب آرہا تھا۔ ''آپ کی گردن پہ نشان ہے' آپ پمبورو ہیں۔ بچپن میں ایک کہانی سنی تھی میں نے' کہ یہ نشان صرف 'مسافروں' کی گردنوں پہ ہوتا ہے۔ کیا واقعی ہم نے وقت کا دروازہ پار کرلیا ہے؟''

''شٹ اپ ایڈم۔'' وہ بے زاری سے بولا۔ ''فضول باتیں مت کہو۔ یہ سب (تالیہ کو دیکھا) اس لڑکی کا کوئی ڈرامہ ہے۔ اس کو سب معلوم ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں صرف خزانے کے لیے....''

''تم اور تمہاری کہانیاں۔'' فاتح سر جھٹک کے پلٹ گیا اور موبائل دیکھنے لگا۔ گوگل میپ۔ نو سگنل۔ وائی فائی' جی پی ایس' موبائل ڈیٹا' کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ اس کی گردن جھکی تھی۔ تالیہ اور ایڈم کی نظریں اس کی گردن پہ جم گئی تھیں۔

''آپ کی گردن پہ بھی نشان ہے' سر۔'' ایڈم متحیر سا بولا تو وہ چونکا۔ پھر بے اختیار گردن کی پشت کو چھوا۔ انگلیوں نے کھال میں کوئی فرق محسوس کیا تھا جو اس کے ماتھے کی سلوٹیں غائب ہونے لگیں۔ ایڈم نے اپنے سیل سے اس کی گردن کی تصویر بنائی اور اسکرین اس

کے سامنے کی۔" یہ تو چے تالیہ نہیں بنا سکتیں۔ ہوسکتا ہے وہ درست کہہ رہی ہوں۔"

وہ اسکرین پہ اپنی گردن کی پشت دیکھ کے منجمد ہوگیا۔ یہ بنا درد کے جلنے کا نشان تھا۔

"نہیں۔" تالیہ پریشانی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔" کوئی بھی وقت میں سفر نہیں کرسکتا۔"

"سکے پہ مظفر ال سلطان لکھا تھا۔" ایڈم تیز تیز بول رہا تھا۔" پہلے 1437 لکھا آرہا تھا مگر یہاں آتے ہی 863 لکھا آنے لگا۔"

"ان ہندسوں کا کیا مطلب ہے؟" وہ اچنبھے سے بولی۔ وان فاتح ابھی تک اسکرین پہ تصویر دیکھ رہا تھا۔

"یہ سال 2016 ہے۔ اسلامی کیلنڈر کا 1437 واں سال۔ لیکن یہاں آتے ہی..." ایڈم خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔

"ہندسے بدل کے 863 ہوگئے۔ یعنی عیسوی کیلنڈر کا 1459 واں سال۔ پندرہویں صدی کا وسط۔" وہ دھک سے رہ گیا۔

(پندرہویں صدی سے مراد 1401 سے 1500 تک کے تمام سال ہوتے ہیں۔ جیسے 1980 انیسویں صدی میں نہیں' بلکہ بیسویں صدی میں شمار کیا جاتا ہے۔)

"کیسی باتیں کررہے ہو؟ ایسا ممکن نہیں ہے' ایڈم!" تالیہ کو وحشت ہونے لگی۔

"1459 سن عیسوی یا 863 سن ہجری وہ سال تھا جب سلطان مظفر شاہ کا انتقال ہوا تھا۔ شاید ہم واقعی مظفر شاہ کے دور میں پہنچ گئے ہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ تڑپ کے پیچھے ہوئی۔" میں ملائیشیاء کی ہی ایک لڑکی ہوں۔ میں کوئی پندرہویں صدی کے کسی لکڑ ہارے کی بیٹی نہیں ہوں' اچھا۔"

"یہاں دن نکلا ہوا ہے چے تالیہ۔ یہاں موبائل سگنلز نہیں کام کررہے۔"

"جب پولیس آئے گی تو میں ان سے کہوں گا کہ تمہیں بھی اس لڑکی کے ساتھ گرفتار کرلیں ایڈم۔ کیوں میرا دماغ خراب کررہے ہو۔" فاتح غصے سے بولا مگر اس کی آواز میں ویسی گرج نہیں تھی۔

"سر... پمبو روکی کہانیاں سب نے سن رکھی ہیں۔ شاید وہ کہانیاں سچ ہوں۔ ہم واقعی پندرہویں صدی میں...."

"یہ اس لڑکی کا کوئی کرتب ہے۔ مجھے اس کی کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے۔" وہ اب بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔" پہلے اس نے میرے گھر سے فائل چرائی' پھر...."

تالیہ تڑپ کے اس کی طرف گھومی۔" کیا ثبوت ہے آپ کے پاس کہ میں نے آپ کی فائل چرائی' ہاں؟"

"گواہ ہیں میرے پاس۔"

''اچھا۔کیا دیکھا گواہوں نے؟ مجھے بھی تو پتہ چلے۔'' تالیہ کی آواز بلند ہوگئی۔چند لمحوں کے لئے وہ بھول گئی کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔فاتح کے ابرو اسی طرح تنے رہے۔

''تم اشعر کی پارٹی سے اپنی کار لینے میرے گھر آئیں' جب گھر میں ہم لوگ نہیں تھے۔پھر تم نے میرے لاکر سے....''

''مگر چے تالیہ تو گھر نہیں آئی تھیں۔'' ایڈم حیرت سے بول اٹھا۔''ان کی کار تو میں خود ان کے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا۔''

فاتح کے الفاظ وہیں ٹوٹ گئے۔اس نے ابرو اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔''تم گئے تھے؟''

''جی' مجھے مسز عصرہ نے کہا تھا کہ کار چے تالیہ کے گھر چھوڑ آؤں۔چے تالیہ تو ٹیکسی لے کر سیدھی اپنے گھر گئی تھیں۔''

فاتح نے تالیہ کو دیکھا جو چبھتی خاموش نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔پھر اس نے دوبارہ ایڈم کو دیکھا۔''تمہیں....عصرہ نے کہا تھا؟''

''جی۔اور آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس لئے چے تالیہ کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوتا۔اچھا تبھی مسز عصرہ نے مجھے اگلے دن آپ سے ملنے نہیں دیا' اور....''

''اچھا۔ٹھیک ہے۔بس!'' اس نے برہمی سے ہاتھ اٹھا کے روکا۔تالیہ کی سلگتی نظریں ابھی تک اس پہ جمی تھیں۔وہ ماتھے پہ بل لئے پلٹا اور ایک طرف چلتا گیا۔وہ ذہنی طور پہ ڈسٹرب ہوگیا تھا' صاف ظاہر تھا۔

تھوڑی دور وہ ایک درخت تلے رک گیا۔ان دونوں کی طرف پشت کیے' اس نے پیشانی پہ ہاتھ رکھ کے آنکھیں کرب سے بند کیں۔(عصرہ....تم....اشعر کے ساتھ....اُف۔)

وہ دونوں وہاں خاموشی سے کھڑے اسے دیکھتے رہے۔پھر تالیہ نے ایک نگاہِ غلط ایڈم پہ ڈالی۔

''یہ مت سمجھنا کہ تم نے میری حمایت کی ہے تو میں وہ سب بھول جاؤں گی جو تم نے کیا۔''

ایڈم نے جواباً خفگی سے اسے دیکھا۔''میرا کیا قصور ہے؟ میں نے تو منع بھی کیا تھا کہ دروازے کو مت کھولیں مگر....''

''چپ کرو۔یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔''

وہ ناک سے مکھی اڑاتی جھلا کے بولی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔فاتح فاصلے پہ خاموش کھڑا رہا۔تالیہ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی رہی۔اور ایڈم ایک پتھر پہ بیٹھا رہا۔

''مجھے یقین تھا کہ خزانہ ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ خود سے بولی تھی۔''خزانہ ہونا چاہیے تھا۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خزانہ نہ ہو۔''

''آپ کو اب بھی خزانے کی فکر ہے؟ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں' چے تالیہ۔'' ایڈم بگڑا تو تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ وہ خزانہ میرے لیے کیا تھا۔''

''میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر یہ واقعی پندرہویں صدی ہوئی تو؟ ہم اگر واقعی وقت میں پانچ سو ستاون برس پیچھے چلے گئے ہوں' تو؟''

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے اوپر دیکھا۔ ''یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہوگا۔ میں ڈھونڈتی ہوں۔'' بیگ کندھے پہ ڈالتی وہ شمال کی جانب چل دی۔ مٹی' پتھر' ٹہنیاں۔ وہ ہر شے کو جوگرز سے عبور کرتی درختوں کے درمیان آگے بڑھتی گئی۔ چند منٹ ہی چلی ہوگی کہ اسے احساس ہوا' یہ جنگل اصلی تھا اور بہت گھنا تھا۔

تالیہ مراد کا دل بیٹھنے لگا۔

یہ خزانے کا لالچ اسے کہاں لے آیا تھا۔ کیسی جگہ تھی؟ کون سی دنیا تھی یہ؟

''تم پندرہویں صدی کی لڑکی ہو تالیہ۔ کسی غریب لکڑہارے کی بیٹی جو کسی وجہ سے وقت میں سفر کر کے آگے نکل آئی تھیں۔ تم واپس جاؤ گی تو وقت وہیں سے شروع ہوگا جہاں سے تم گئی تھیں۔ جہاں سے مراد نے اپنی گیارہ سالہ بیٹی کو کھویا تھا۔'' داتن کی آواز گونجنے لگی۔ اس وحشت زدہ جنگل میں تو داتن کی آواز کی بازگشت بھی سنائی دیتی تھی۔

اسے خوف سا آنے لگا۔ فوراً پلٹی اور تیز تیز واپسی کے لیے قدم اٹھائے۔ ابھی وہ ایڈم اور فاتح سے چند میٹر ہی دور تھی کہ اس کا پیر رپٹا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔

فاتح چونک کے گھوما' پھر تیزی سے اس کی طرف آیا۔ ایڈم بھی جگہ سے اٹھا۔

گرتے ساتھ ہی وہ کراہی مگر ان کو اپنی طرف آتے دیکھ کے فوراً سے اٹھی اور کپڑے جھاڑے۔ منہ پہ گیلی مٹی لگ گئی تھی۔ اس نے ہتھیلی سے وہ صاف کی۔ پھر ٹھٹکی۔ ''میرے خواب۔''

''کون سے خواب؟'' وہ جو اس کو گرتے دیکھ کے تیزی سے آیا تھا' سنبھلتے دیکھ کے چہرے پہ وہی بے زاری واپس لائے رک گیا تھا۔

''میرے خواب.... وہ ہمیشہ سچے ہوتے ہیں.... میں نے خواب میں دیکھا تھا یہ جنگل.... ہم تینوں تھے ادھر اور ہماری گردنوں میں پھندے تھے۔'' وہ خود سے بول رہی تھی جیسے۔ بالکل مبہوت ہوئے۔ ''تو میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو مستقبل کا عکس تھے۔''

''اور کیا دیکھا تم نے خواب میں؟'' وہ بغور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔ سوال پہ تالیہ پہلے چونکی' پھر ماتھے پہ بل ڈال دیے۔ ہاتھ جھاڑے اور 'کچھ نہیں' کہتی آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

جنگل میں تیز روشنی محض آدھے گھنٹے میں گھپ اندھیرے میں بدل جاتی تھی۔ جیسے ہی مغرب کا وقت ہوا' چند منٹوں میں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اونچی ہونے لگی۔ دور جھرنے کے بہنے کی آواز البتہ برابر سنائی دے رہی تھی۔

درختوں کے درمیان ایک قطعے پہ ایڈم کہیں سے تین پتھر اٹھا لایا تھا۔ بڑے بڑے تین پتھر اور خود ایک پہ بیٹھ گیا تھا۔ اب اس ڈوبتی شام میں وہ بار بار گھڑی دیکھ کے ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''پولیس ہمیں لینے آجائے گی' کوئی تو آجائے گا۔ ان کو وہ سیڑھیاں مل جائیں گی اور پھر وہ ہمیں یہاں سے نکال لے جائیں گے۔''

تالیہ ساتھ والے پتھر پہ بیٹھی اس کو سنتی رہی۔ فاتح کا پتھر خالی تھا۔

وہ دور ایک درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں ٹہنی لئے اس سے پتے توڑ توڑ کے پھینک رہا تھا۔ گاہے بگاہے موبائل نکال کے دیکھتا۔ نو سگنل۔

پھر ایڈم بھی خاموش ہو گیا۔ پرندے گنگناتے رہے۔ جھرنے کا پانی بہتا رہا۔ اور حقیقت ہر گزرتے پل گہری ہوتی گئی۔ اٹل۔ اور ٹھوس۔ یہ الوژن نہیں تھا۔ یہ واقعی کوئی جنگل تھا۔ کس زمانے کا تھا' کوئی واقف نہ تھا۔ وہاں زمان اور مکان کے سارے پیمانے ختم ہو چکے تھے۔

''کوئی نہیں آیا ابھی تک۔'' تالیہ نے کلائی پہ گھڑی دیکھی۔ کوالالمپور کے وقت کے مطابق رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ مگر یہاں اندھیرا ابھی چھایا تھا۔

''کوئی آجائے گا۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ وان فاتح غائب ہو جائیں اور کوئی ان کو لینے نہ آئے۔ سارے ملک میں کہرام آجائے گا۔'' پتھر پہ بیٹھے ایڈم نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے تسلی دی۔ تالیہ نے گھور کے اسے دیکھا۔

''خیر.... میں بھی کوئی لاوارث نہیں ہوں۔ رات گھر نہ پہنچی تو وہ موٹی میرے لئے بھی آجائے گی' دیکھنا۔''

''کون موٹی؟'' وہ حیران ہوا۔

''میری برائلر مرغی جیسی دوست' لیانہ۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کسی کو یوں موٹی نہیں کہتے' چے تالیہ۔'' وہ برا مان گیا۔

''میں تو اس کو کالی اور بدصورت بھی کہتی ہوں۔'' وہ اونچے پتھر پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور چہرہ دائیں ہتھیلی پہ گرا رکھا تھا۔

''کیوں؟'' ایڈم کی آنکھیں صدمے سے کھل گئیں۔ درخت تلے بیٹھا فاتح ٹہنی سے پتے توڑ توڑ کے پھینکتا جا رہا تھا۔

''کیونکہ اس سے کوئی اور پیار نہیں کرتا۔ دوست مطلب کے لئے تعلق رکھتے ہیں' اور بچے غرض کے لئے۔ کوئی اس کو صحیح غلط نہیں بتا سکتا۔ وہ پچاس سے اوپر ہے' مگر اس کا وزن بڑھتا جا رہا ہے' ڈاکٹرز نے اس کو کہہ دیا ہے کہ اگر وہ اسی رفتار سے چاکلیٹ اور جنک فوڈ کھاتی رہی تو وہ جلد مر جائے گی۔ میری نصیحتوں اور لیکچرز کا جب اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تو میں نے اسے موٹی' کالی اور بدصورت مرغی وغیرہ کہنا شروع کر دیا' تاکہ وہ اپنے وزن اور صحت کا احساس کرے۔''

”یہ تو غلط بات ہے۔“ اسے بہت برا لگا تھا۔

”تو کیا کروں؟ موٹی کہنے پہ وہ برا ہی نہیں مناتی تھی۔ بدصورت کہتی ہوں تو اب پتلا ہونے کے طریقے گوگل کرنے لگی ہے۔ دو چار نام اور رکھوں گی تو اپنے وزن کو سیریئسلی لے گی۔ اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی کی وجہ سے موٹے ہونے والوں کو بار بار ان کی صحت کا احساس دلانا چاہیے۔ کیونکہ انسان جتنا پتلا اور فٹ ہو، وہ اتنا ہی خوش اور motivated رہتا ہے۔ وہ چونکہ ایک عورت ہے اس لیے اگر کسی اور وجہ سے ڈائٹ پہ نہیں جائے گی تو کم از کم اچھا لگنے کے لئے تو چلی ہی جائے گی۔“

”پھر بھی چے تالیہ.... یہ کافی بےرحمانہ انداز ہے۔“

تالیہ نے تندہی سے اسے گھورا۔ ”تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ تالیہ تمہاری کوئی ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہے جو سادہ اور معصوم سی ہو۔ میں کرمنل ہوں، اور کرمنلز ایسے ہی ہوتے ہیں، ہاں۔“ پھر ناک سکوڑ کے منہ پھیر لیا۔

دفعتاً فاتح درخت تلے سے اٹھا۔ تالیہ نے کنکھیوں سے دیکھا، وہ اب اس طرف آ رہا تھا۔ وہ چہرہ موڑ کے دوسری طرف دیکھے گئی۔ وہ اس کے سامنے پتھر پہ آ کے بیٹھا۔

”بولنا شروع کرو۔“ انداز غصیلا نہ تھا مگر نرم بھی نہ تھا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

”کیا؟“

”سب کچھ بتاؤ مجھے۔ شروع سے۔ سچ سچ۔“

”اور آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ میں سچ بول رہی ہوں؟ میں تو جھوٹی اور چور ہوں نا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سلگ کے بولی۔ وہ ہنوز اسے انہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں چھوٹی کیے۔ ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے اور سفید شرٹ کے آستین اوپر چڑھا رکھے تھے۔ وہ جس فاتح سے واقف تھی، یہ اس سے مختلف نظر آتا تھا۔

”سچ کی پہچان ہو جاتی ہے۔“

”جیسے آپ کو مسز عصرہ کی باتوں کی ہو جاتی ہے۔“

”وہ الگ بات ہے۔ تم نے میری فائل....“

”میں نے آپ کی فائل چرائی ہے، بالکل چرائی ہے، لیکن آپ کے گھر سے نہیں۔“

فاتح نے بےاختیار ابرو اٹھایا۔ ”مطلب؟“ ایڈم بھی حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

”میں نے وہ.... اشعر محمود کے.... سیف سے چرا کے..... آپ کو واپس کی ہے۔“ وہ اسی طرح چبا چبا کے بولی۔ گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا۔

فاتح نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''ایکسکیوز می؟''

تالیہ آگے ہوئی' اوراس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''کیا میرا میجک شو اچھا نہیں لگا آپ کو 'وان فاتح ؟''

پل بھر کو وہ بالکل ساکت رہ گیا۔ پلک تک نہ جھپک سکا۔ پھر پتلیاں حیرت اور بے یقینی سے سکڑیں۔ ''تم....نہیں....''

''کیا کبھی کسی جادوگر کو اسٹیج پہ کھڑے ٹرک کا راز بتاتے دیکھا ہے آپ نے وان فاتح ؟ مگر بیک اسٹیج تو بتایا جاسکتا ہے نا۔ آپ نے کہا تھا کبھی مجھ سے ملنے آؤ حالم مگر میں نے کہا تھا نا کہ میں آپ کی توقعات کے برعکس ہوں' سر۔ ایسی خواہش نہ کریں تو اچھا ہوگا۔''

فاتح کی قوت گویائی چند لمحے کے لیے زائل ہوگئی۔

''تم....تم حالم ہو؟''

''کوئی مجھے بھی بتائے....حالم کون ہے؟'' ایڈم نے ناسمجھی سے باری باری دونوں کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ تینوں پتھروں کے گرد اُگے درخت اندھیرے میں ڈوبے خاموشی سے ان کو سن رہے تھے۔

''کیا اب میری بات کا یقین کریں گے آپ؟'' وہ شکوے سے بولی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

فاتح نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''بولنا شروع کرو۔'' اس کا سارا غصہ' کوفت' حقارت' سب غائب ہوگیا تھا۔

تالیہ نے پہلے اسے دیکھا' پھر ایڈم کو۔ ''اچھا ہو' اگر آپ لوگ مجھے جج نہ کریں۔''

''تم بولنا شروع کرو' تالیہ۔ سچ بولنا صرف شروع میں مشکل لگتا ہے' پھر یہ وقت کے ساتھ ساتھ آسان ہوجاتا ہے۔'' وان فاتح کی آواز میں نرمی تھی۔ وہ متوجہ تھا۔ سنجیدہ تھا۔ کچھ بدل گیا تھا۔ میجک شو کے الفاظ کے ساتھ ہی سارا سماں بدل گیا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی' آنکھوں کے کنارے رگڑے اور اندھیر درختوں کو دیکھ کے کہنے لگی۔ ''میرا اصل نام تالیہ مراد ہے۔ میں گیارہ برس کی عمر میں ایک چرچ میں پائی گئی تھی۔ پہلے میں نہیں جانتی تھی کہ میں کہاں سے آئی ہوں' لیکن اب....'' اس نے گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔ جہاں گھنے درختوں کے پار گہرا پڑتا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ ایڈم نے ٹارچ جلا دی تھی جس سے سفید نیلی سی روشنی تینوں پتھروں کے گرد پھیلی تھی۔

''اب مجھے یقین آرہا ہے کہ شاید داتن درست کہتی تھی۔ میں واقعی پندرہویں صدی کے کسی لکڑہارے کی بیٹی ہوں جو پمو روتھا۔ اس نے چابی بنائی تھی۔ جانے کس قسم کی۔ میرے باپ کو خزانہ چاہیے تھا گاؤں کے لئے۔ شاید اس نے مجھے وقت میں آگے بھیج دیا۔ اور میں اکیسویں صدی میں آگئی۔ یتیم خانے کی منتظم نے مجھ سے میرا بریسلیٹ اتروالیا تو چابی ٹوٹ گئی اور میری یادداشت ختم ہوگئی....''

وہ دونوں اسے سن رہے تھے۔ جنگل پہ اندھیرا چھا رہا تھا۔ پرندوں کی آوازیں دم توڑ رہی تھیں۔ اب تالیہ نے سر جھکا لیا تھا۔ ''میں کچھ سال یتیم خانے میں رہی۔ پھر ایک فیملی مجھے ایڈاپٹ کر کے لاہور لے گئی۔ وہ میرے اوپر ظلم کرتے تھے۔ میں نوکرانی کی طرح

بڑی ہوئی۔ جیب خرچ اور کھانے کے لئے مجھے چوری اور جھوٹ کی عادت پڑ گئی۔ میں چھوٹی باتوں پہ بڑے جھوٹ بولتے ہوئے بڑی ہوئی۔ سات سال پہلے انٹرنیٹ پہ رشتہ ڈھونڈ کے میرے ماں باپ نے میری شادی کر دی۔"

فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔"تم شادی شدہ ہو؟"

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ گردن ہلائی۔"وہ کوالالمپور میں رہتا تھا۔ وہی آدمی جو اس روز تم نے دیکھا' ایڈم۔" (فاتح نے فوراً ایڈم کو دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلایا۔) "ائیر پورٹ پہ آئی تو پتہ چلا وہ میرے ذریعے منی لانڈرنگ کرنا چاہتا ہے۔ میں ائیر پورٹ سے بھاگ گئی۔ داتن کے ساتھ۔ پھر اس سے طلاق لے لی اور...." وہ بولتی گئی۔ رات گہری پڑتی گئی۔

کوالالمپور میں گزارے سات سال ....حالم بننا اور لوگوں کی چیزیں چرا کے واپس ڈھونڈ لانے کی فیس لینا...گھائل غزال...خزانہ....وہ سب بتاتی گئی۔ اپنے خواب....تمام جزئیات کے ساتھ۔

"تم نے بتایا کیوں نہیں کہ گھائل غزال نقلی ہے؟" وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے شا کی نظریں اٹھائیں۔ آس پاس اندھیرا تھا مگر چاند کی چاندنی کے باعث وہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"کیونکہ سچ بولنا مجھے مشکل لگتا ہے۔"

"اب کیسے بول رہی ہو۔"

وہ زخمی سا مسکرائی۔"کیونکہ اب آپ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔"کیا؟"

"سوری ایڈم' مگر ہمیں کوئی لینے نہیں آئے گا۔ ہم وقت کی قید میں پھنس چکے ہیں اور اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ چابی تحلیل ہو چکی ہے۔ دروازہ غائب ہو گیا ہے۔ اور اب چونکہ آپ (فاتح کو دیکھا) مجھے پولیس کے حوالے نہیں کر سکتے تو مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔ ہاں میں چور ہوں' اسکامر ہوں' جھوٹی بھی ہوں۔ پھر کیا کر لیں گے آپ لوگ؟ سوائے مجھ سے نفرت کے؟"

"نہیں تالیہ۔ میں تمہیں جج نہیں کروں گا۔" وہ اب کے ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا۔ نہ غصہ۔ نہ کوئی ترحم۔"تم نے کہا تم اس کام کو چھوڑنا چاہتی تھیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ تمہیں احساس تھا۔ میں ماضی میں رہنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

مگر ایڈم کا ذہن تالیہ کے بے رحم الفاظ پہ اٹک گیا تھا۔"آپ ہمت کیوں ہار رہی ہیں؟ پولیس ہمیں لینے آ جائے گی۔"

"کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم واپس نہیں جا سکتے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"آئے گا' ضرور آئے گا۔ میں پازیٹو ہوں۔ سر' کیا انسان کو مثبت نہیں ہونا چاہیے؟" اس نے دکھی ہو کر فاتح کو مخاطب کیا۔

فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگا تھا۔ آسمان سے آوازیں آنے لگی تھیں۔ گڑگڑاہٹ۔ ذرا سی بجلی چمکی

اور پھر... تڑاتڑ بارش برسنے لگی۔

''یا اللہ!'' تالیہ نے بوکھلا کے بیک پیک سر پہ تانا۔ تینوں تیزی سے کھڑے ہوئے مگر بوچھاڑ اتنی تیز تھی کہ چند لمحوں میں ہی بھیگ گئے تھے۔

''ہمیں کوئی شیلٹر ڈھونڈنا ہوگا۔'' فاتح نے ٹارچ اٹھا کے روشنی ایک طرف پھینکی۔

''پولیس آئے گی۔ کوئی تو آئے گا۔'' ایڈم اسی طرح مغموم سا کھڑا بھیگ رہا تھا۔ اسے اور کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔

''میں نے اس طرف چٹانیں دیکھی تھیں۔ میرے ساتھ آؤ تم دونوں۔ ایڈم میں کہہ رہا ہوں میرے ساتھ آؤ۔'' وہ بلند آواز میں بولا تو ایڈم چونکا اور پھر اس کے پیچھے چلنے لگا مگر وہ غائب دماغ لگتا تھا۔

جنگل میں اندھیرا تھا اور چاندنی مدھم سی درختوں کے درمیان پہنچ رہی تھی۔ وہ بھی اس لیے کہ پورے چاند کی رات تھی ورنہ درخت اتنے گھنے تھے کہ سورج کی روشنی بھی پوری اندر داخل نہ ہو پاتی تھی۔

''چلو ایڈم۔'' وہ بار بار رک جاتا تو تالیہ کو جھڑک کے کہنا پڑتا۔ فاتح رامزل سب سے آگے تھا۔ ٹارچ کی روشنی راستے میں پھینکتا وہ راستہ دکھا رہا تھا۔ درختوں کے درمیان پتھروں، کیچڑ، پتوں اور سوکھی ٹہنیوں کا خاردار راستہ جس کو وہ تینوں آگے پیچھے عبور کر رہے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' تڑتڑاتی بوندوں کے درمیان وہ چلا کے بولی۔

''اس طرف ایک چٹان میں کھوہ سی بنی تھی۔'' وہ مڑے بغیر تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔

''مزید کتنا چلنا پڑے گا؟''

وہ تیورا کے گھوما۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ بال ماتھے پہ گیلے ہو کے جمے تھے اور آنکھوں میں غصہ تھا۔ اس کے رکنے پہ وہ بھی ہڑبڑا کے رکی۔ ''تم پکنک پہ آئی ہو یہاں، ہاں؟''

''میں بس پوچھ رہی تھی۔'' وہ خفیف ہوئی۔ وہ اسے گھور کے واپس مڑا اور تیز تیز چلنے لگا۔

چند منٹ وہ اس گھنے، اندھیر جنگل میں چلتے رہے۔ ساری دنیا جیسے ختم ہو گئی تھی۔ سارے شہر صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ کائنات بس ایک جنگل تک محدود تھی اور وہ اس میں موجود واحد انسان تھے۔ جیسے طوفانِ نوح ابھی گزرا ہو.... پانی سمٹ چکا ہو....اور ان کو دنیا پھر سے آباد کرنی ہو.....

ایسی حسین وحشت.....

ایک ڈھلان کے نیچے کھوہ سی بنی تھی۔ چھوٹا سا غار جو پتھروں کے گرنے کے باعث بن گیا تھا۔ اس کا دہانہ کھلا تھا اور وہاں پانی کا تالاب سا بنا پڑا تھا۔ فاتح اس کے کنارے آ رکا اور اسے اشارہ کیا۔ (اندر آ جاؤ۔) وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اندر بارش نہیں تھی۔ خشک

بھورے پتھروں کی غار.... جیسے کوئی محفوظ سائبان ہو۔ اس نے بیگ اتار کے نیچے پھینک دیا۔ سکون سا محسوس ہوا تھا۔

''اندر آؤ' ایڈم!'' فاتح ابھی تک غار کے دہانے پہ بارش میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ ایڈم قدرے سست روی سے غار میں آیا اور سیدھا ایک کونے میں جا کھڑا ہوا۔ ان دونوں کے سائبان میں آجانے کے بعد وہ اندر داخل ہوا۔

''کیا کوئی بھی ہمیں بچانے نہیں آئے گا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم غائب ہو جائیں اور کسی کو پرواہ بھی نہ ہو۔'' ایڈم وہیں کونے میں بیٹھ گیا اور تھوڑی گھٹنوں پہ ٹکا دی۔ وہ اداس دکھائی دیتا تھا۔ فاتح نے ٹارچ جلا رکھی تھی جس کی روشنی غار کی دیوار پہ گر رہی تھی۔ پورا غار نیلی سرمئی روشنی سے روشن ہوگیا تھا۔

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ بغیر چابی کے کوئی وہ دروازہ کیسے کھولے گا؟ یاد ہے تمہارے پیچھے دروازہ بند ہوگیا تھا۔'' تالیہ اکتا کے بولی۔

''مگر ہمیں مثبت سوچ رکھنی چاہیے۔ یقیناً کوئی آئے گا اور ہمیں بچا لے جائے گا۔''

فاتح خاموشی سے متصل دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ مسلسل ٹارچ کا بٹن جلا بجھا رہا تھا۔ غار میں روشنی پھیلتی' پھر اندھیرا چھا جاتا۔ پھر روشنی' پھر اندھیرا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''کوئی نہیں آئے گا' ایڈم۔ ہم مصیبت میں پھنس چکے ہیں۔''

ایڈم کی آنکھوں میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''کیا کسی کو ہماری پرواہ بھی نہیں ہوگی؟''

''میں بتا رہی ہوں نا' ہم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔''

مگر ایڈم نے سر دونوں بازوؤں میں چھپا لیا۔ ''یا اللہ.... میرا کیا قصور تھا؟'' وہ بےبسی سے روہانسا ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ چے تالیہ ہمیں اس مصیبت میں پھنسائیں گی تو میں کبھی بھی ملاکہ نہ آتا۔ میں کے ایل سے بھی دور بھاگ جاتا۔''

''میں نے پھنسایا ہے مصیبت میں؟'' وہ غصے سے بلبلائی۔ ''کتنا کہا تھا مجھے سکہ دے دو' تمہیں خود شوق ہوا تھا سراغ رساں بننے کا۔ ہم تمہاری وجہ سے اس میں پھنسے ہیں۔''

''مجھے کوئی شوق نہیں تھا کچھ بھی بننے کا۔'' اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ''میری شادی ہے دو ماہ بعد۔ میری ایبو اور بابا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''تمہیں لگتا ہے مجھے شوق تھا اس.... اس جنگل میں پھنس جانے کا؟ میں کے ایل میں کتنی خوش تھی' میرے کتنے خواب تھے' تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''میں بھی کے ایل میں خوش تھا۔ مجھے نہیں چاہیے تھا خزانہ۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کا کہا تھا۔''

''سارا قصور تمہارا ہے' تم فاتح صاحب کو بھی درمیان میں لے آئے' تم نے مجھے مشکل میں ڈالا ہے' میں نے تمہیں نہیں۔''

وہ دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا' اور تالیہ کھڑی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف چہرہ موڑے تیز تیز بولے جا رہے تھے۔

وہ کمر پہ ہاتھ رکھے ان کو دیکھے گیا۔ افسوس سے....ناپسندیدگی سے....

بارش تھم گئی تھی۔ جیسے وہ ایک لمحے میں اچانک سے شروع ہوئی تھی' ویسے ہی اچانک سے تھم گئی۔ وہ دونوں ابھی تک ترکی بہ ترکی ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا رہے تھے۔ فاتح غار سے باہر نکل آیا۔

پتوں اور سوکھی ٹہنیوں سے اٹی زمین کی مٹی گیلی ہو چکی تھی۔ پھسلن زندہ اور گیلی۔ دو قدم چلنا محال تھا۔ وہ ٹارچ کی روشنی سامنے پھینکتا چند میٹر دور چلتا آیا۔

یہاں ایک بڑا سا گڑھا بنا تھا جس میں بارش کا پانی تالاب صورت جمع ہو گیا تھا۔ وہ اس کے کنارے آرکا اور سامنے دیکھا۔

پانی کے دوسرے کنارے پہ آریانہ کھڑی تھی۔ فاتح زخمی سا مسکرایا۔

اسے کبھی خواب نہیں آتے تھے۔ جتنی ڈسٹرب نیند وہ سوئے' وہ خواب نہیں دیکھتا تھا۔ آریانہ تو اسے کبھی خواب میں نہیں دکھائی دی تھی۔ عصرہ کے خوابوں میں وہ اکثر آتی تھی۔ البتہ جب وہ بہت پریشان ہوتا' وہ تصور کرتا کہ آریانہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور وہ اس سے بات کر رہا ہے۔ صبح جاگنگ پہ جاتے ہوئے.... کبھی اپنے ڈریسر مرر کے سامنے ٹائی باندھتے ہوئے....وہ اپنا ذہن کلیئر کرنے اور کسی نتیجے پہ پہنچنے کے لئے اپنا مسئلہ اس تخیلاتی آریانہ کے سامنے رکھا کرتا تھا جو دراصل اس کے سب کانشس مائینڈ سے نکات ڈھونڈ ڈھونڈ کے لاتی اور اس کو جواب دیتی تھی۔ وہ جانتا تھا وہ خود سے باتیں کر رہا ہے' مگر اسے آریانہ کو اس گفتگو کا مخاطب بنانا اچھا لگتا تھا۔

''ڈیڈ!'' وہ سفید لباس میں ملبوس ہیئر بینڈ لگائے' سامنے کھڑی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا۔''

''آپ پریشان ہیں؟''

''بہت زیادہ۔''

''کیوں؟''

''میں پھنس گیا ہوں آریانہ۔ میں اس جادوئی دنیا میں پھنس گیا ہوں۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''اور آپ غصہ بھی ہیں۔''

''ہاں۔ مجھے ان دونوں پہ غصہ آ رہا ہے جو ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ مجھے لوگوں کا مظلوم بننا نہیں اچھا لگتا۔''

''تو لوگ کیا کریں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان بارش کے پانی سے بھرا نالہ حائل تھا۔

''اس بات کو سمجھ لیں کہ کوئی ہمارے ساتھ برا نہیں کرتا۔ یا تو ہم اسے اجازت دیتے ہیں۔ یا وہ ہماری تقدیر ہوتی ہے۔''

''اور یہ سمجھ کے وہ کیا کریں؟''

''کیا مطلب کیا کریں؟'' اس نے خفگی سے بھنویں بھینچی۔ ''دوسروں کو اپنی حالت کا الزام دینا چھوڑیں' اپنی قسمت کو قبول کریں اور باہر نکل کے دنیا کا مقابلہ کریں۔'' کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''اور جو برے واقعات سے ہمارا دل غم کا شکار ہو جاتا ہے' اس کا کیا' ڈیڈ؟'' وہ یاسیت سے پوچھ رہی تھی۔ ہلکی ٹھنڈی ہوا میں اس کے ہیئر بینڈ سے نکلتے بال اڑ اڑ رہے تھے۔

''انسان برے واقعے کو اپنی یادوں میں خود اچھا واقعہ بھی بنا سکتا ہے۔''

''کیسے؟'' آریانہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''یہ دیکھ کے کہ غلطی کہاں ہوئی اور شکر ادا کر کے کہ اسے ایک سبق سیکھنے کا موقع ملا۔'' وہ اب قدرے آرام سے بول رہا تھا۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے ریلیکس ہو رہا تھا۔

''کیا آپ اس مصیبت کو فیس کر رہے ہیں جو آپ کو پھانسے ہوئے ہے؟''

''میں کم از کم کسی کو الزام نہیں دے رہا۔''

''مگر آپ لیڈر ہیں' ڈیڈ۔ لیڈر کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔ آپ کو وہ چرواہا بننا ہے جو سرکش بھیڑوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان سے کام لینا جانتا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے افسوس سے کہہ رہی تھی۔ ''مگر مجھے تو لگ رہا ہے کہ آپ نے خود بھی ان حالات کو قبول نہیں کیا ابھی۔''

''میرا ایک ملک ہے پیچھے' آریانہ۔ مجھے.... ایک.... ملک چلانا ہے۔''

''وہ ملک اب پیچھے رہ گیا ہے' ڈیڈ۔'' اس کے الفاظ وان فاتح کے دل میں بھالے کی طرح کھب گئے۔ تکلیف اتنی تھی کہ چہرے پہ ظاہر ہونے لگی۔

''میں نے اتنے سال ایک مقصد کے لئے کوشش کی ہے۔ وہ.... میرا.... ملک ہے آریانہ! مجھے اگلے ہفتے تک الیکشن کے لیے پیپرز جمع کروانے ہیں۔'' درد اس کے دل سے ہوتا سارے جسم میں سرایت کر رہا تھا۔

''اب وہ سب ختم ہو گیا ہے ڈیڈ۔ اب آپ کو اس جنگل کو قبول کرنا ہوگا۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں بے پناہ زخمی پن تھا۔ ''میرے بغیر میرے ملک کا کیا ہوگا؟''

''آپ کو اس وقت یہ سوچنا ہے صرف کہ آپ کے بغیر آپ کا کیا ہوگا؟'' وہ بھی دکھی لگ رہی تھی۔

''کیا میرا ملائیشیا وقت کی دھول میں غائب ہو گیا ہے' آریانہ؟'' اس کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ہو سکتا ہے وہ دوبارہ کسی موقع پہ ظاہر ہو جائے' ڈیڈ۔ مگر اس وقت آپ ''سلطنتِ ملاکہ'' میں ہیں۔ یہ جنگل اور اس سے مقابلہ کرنا ہی سب سے بڑی لڑائی ہے۔''

''میں کچھ نہیں جانتا مجھے کیا کرنا ہے۔''

''ڈیڈ!'' وہ نرمی سے مسکرائی۔ ''میں اتنے گھنٹوں سے دیکھ رہی تھی۔ آپ اس درخت کے پاس اداس بیٹھے تھے۔ آپ اتنی جلدی اداس نہیں پڑتے تھے مگر وہ آپ کا فطری ردعمل تھا۔ آپ انسان ہیں' آپ گھبرا سکتے ہیں' میں مانتی ہوں۔ لیکن آپ بہت بہادر انسان ہیں' آپ نے زندگی میں اس سے بڑے امتحان دیکھے ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ جنگل ڈسٹرکٹ اٹارنی آفس کی دوسری کیمپئین سے زیادہ خوفناک نہیں ہے۔''

''یاد ہے ڈیڈ' کتنے مسئلوں میں پھنسے تھے ہم' مگر نکل آئے تھے نا۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی تو اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔

''تو اب میں کیا کروں؟''

''آپ نے اپنے ساتھ ان دونوں کو بھی جنگل سے نکالنا ہے۔''

''وہ دونوں میرے لیے اجنبی ہیں۔ ایک میں مجھے دلچسپی نہیں اور دوسری مجھے شدید ناپسند رہی ہے۔''

''لیکن آپ پھر بھی ان کو سنبھال سکتے ہیں' ڈیڈ۔ پارٹی چیئر مین کا الیکشن ابھی نہیں ہوا مگر سب جانتے ہیں کہ موجودہ چیئر مین کی پچھلے ایک سال سے غیر دلچسپی کے باعث باریسن نیشنل کو آپ ہی سنبھال رہے ہیں۔''

''وہ ایک سیاسی پارٹی ہے' بیٹا۔ وہ اور بات ہے۔''

''سیاست ایک جنگل ہے اور باریسن نیشنل کے اس وقت ڈھائی لاکھ سے زیادہ ممبرز ہیں۔ آپ کے کارکن جن سے آپ ہر وقت ای میل' فون' جلسوں' اور باہمی ملاقاتوں کے ذریعے جڑے رہتے ہیں۔ آپ سے جو کارکن ایک دفعہ ملاقات کر لے آپ کو وہ ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ آپ سیاستدان ہیں۔ ڈونٹ ٹیل می جو شخص اپنے ہزاروں کارکنوں کے نام تک یاد رکھتا ہے' وہ ان دو لوگوں کو نہیں سنبھال سکتا؟''

وہ بالآخر مسکرا دیا۔ ''تم چاہتی ہو میں ان دونوں کے بارے میں اپنے جذبات پس پشت ڈال کے ان کو کارکنوں کی طرح ٹریٹ کروں؟ ان سے کام لوں اور ان کو لیڈ کرتے ہوئے اس جنگل سے نکالوں؟''

''آپ کو یقین آ چکا ہے اب تک ڈیڈ' کہ آپ واقعی وقت میں پیچھے جا چکے ہیں۔ آپ کو جنگل سے نکلنا ہو گا اور آبادی ڈھونڈنی ہو گی۔ اس کے لیے آپ کو وہی کرنا ہو گا جو آپ ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔''

''Like Father, Like Daughter !'' وہ کھل کے مسکرایا۔

نالے کا دوسرا کنارہ اب خالی تھا۔آریانہ جا چکی تھی۔

وان فاتح کے ذہن کے سارے جالے صاف ہو چکے تھے۔اس نے آنکھیں بند کر لیں۔چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر آنکھیں کھولیں تو وہ ایک مختلف انسان نظر آتا تھا۔وہی جو پارلیمان میں گردن کڑا کے کھڑا ہوئے تقریر کرتا تھا...جو کسی جلسے میں اسٹیج پہ کھڑا مسکراتے ہوئے عوام کی طرف ہاتھ ہلاتا تھا....جو کیمپیئن آفس میں تیز تیز چلتے ہوئے تحکم سے سٹاف ورکرز کو ہدایات جاری کرتا تھا....وہ چند گھنٹوں کے لئے کھو گیا تھا مگر اب وہ واپس آ چکا تھا۔اس کے قدم تیزی سے غار کی طرف اٹھنے لگے۔

واپسی کا سفر ویسے بھی جلدی طے ہو جاتا ہے۔

وہ غار کے دہانے تک آیا تو وہ دونوں ابھی تک درشتی سے بحث کر رہے تھے۔تلخ کلامی اب تالیہ کے چور ہونے تک پہنچ چکی تھی' اور وہ جواباً اس کو سکے کا لالچ آ جانے کا طعنہ دے رہی تھی۔فاتح نے ٹارچ جلا کے ایک کونے میں کھڑی کی تاکہ سارا غار روشن بھی ہو جائے اور کسی کی آنکھوں میں روشنی بھی نہ پڑے۔

''وہ ٹھیک کہہ رہی ہے ایڈم۔'' وہ سنجیدہ آواز میں بولا تو دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ہمیں لینے کوئی نہیں آئے گا۔انتظار ترک کر دو۔''

تالیہ کے لب ابھی مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے تھے کہ....

''مگر وہ غلط کہہ رہی ہے کہ ہم کبھی واپس نہیں جا سکتے....ہم جائیں گے اور ضرور جائیں گے کیونکہ نہ میں ایڈم کی طرح انتظار کرتا ہوں کہ دوسرے آ کر مجھے مصیبت سے نکالیں' نہ میں تالیہ کی طرح دنیا میں صرف تلخ حقیقتوں کو دیکھتا ہوں۔'' تالیہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ناک سکوڑ لی۔

''مگر سر...کوئی آئے گا۔ہمیں امید رکھنی چاہیے۔آپ تو خود کہتے تھے کہ ہمیں مثبت سوچنا چاہیے ہمیشہ۔'' اس کے الفاظ غار سے ٹکرا کے واپس پلٹ رہے تھے۔باہر پانی اور پرندوں کا شور پھر سے سنائی دینے لگا تھا۔

''دوسروں پہ تکیہ کرنا مثبت سوچ نہیں ہوتا۔وان فاتح نے کبھی دوسروں کا انتظار نہیں کیا کہ وہ آ کر اس کو مصیبت سے نکالیں گے۔ہمیشہ خود کوشش کی ہے۔اس سے بڑے بڑے جنگل دیکھے ہیں میں نے اور میں کبھی نہیں ہارا۔مجھے نہیں معلوم ہم کتنے وقت کے لیے اس جگہ پھنسے ہیں مگر دو باتیں آج دماغ میں بٹھا دو۔''

وہ دونوں دم سادھے اس کو بولتے دیکھ رہے تھے۔رعب سا رعب تھا۔ادب سا ادب تھا۔ایڈم دھیرے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''پہلی بات' ہم یہاں کسی دوسرے کی وجہ سے نہیں پھنسے۔ہم اپنی مرضی سے آئے تھے۔اور دوسری یہ کہ....ہم یہاں سے....واپس اپنی دنیا میں....ضرور جائیں گے۔اِز دیٹ کلیئر؟''

تالیہ نے سر ہلا دیا۔ ایڈم نے سر جھکا دیا۔

''مگر تب تک ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ ایڈم.... تم ملٹری میں رہے ہو' تم نے جنگل میں ٹریننگ حاصل کی ہوگی۔ تم تالیہ کو بتاؤ' جنگل کے بارے میں پہلی بات کیا پڑھائی جاتی ہے؟'' وہ آستینوں کو مزید موڑتے ہوئے کسی کمانڈر کی طرح حکم دے رہا تھا۔

ایڈم نے چہرہ اٹھایا اور خالی خالی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

''بتاؤ ایڈم.... ساری دنیا کے جنگلوں کے بارے میں پہلی اور بنیادی بات کون سی بتائی جاتی ہے؟''

ایڈم کے لب ہلے۔

''Never Fight the Jungle.''

غار میں ایک دم ہیبت ناک سی خاموشی چھا گئی۔ تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''سنا تم نے تالیہ۔ ہم دونوں جانتے ہیں اس بات کو۔ تم بھی جان لو۔ جنگل سے کبھی لڑائی نہیں کی جاتی۔ صرف اس کے اندر سے راستہ بنا کر اس سے نکلنا ہوتا ہے کیونکہ جنگل اور انسان کی لڑائی میں جنگل ہمیشہ جیت جاتا ہے۔''

''لڑیں گے نہیں تو زندہ کیسے رہیں گے؟'' اس کا دل ڈوبا۔

''زندہ رہنے کے لئے لڑنا ضروری نہیں ہے' خود کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔'' وہ قدرے نرمی سے بولا تو تالیہ نے سر ہلا دیا مگر وہ ابھی تک متذبذب لگتی تھی۔ کیا یہ وہی آدمی تھا جو اتنے دن اس کو نظر انداز کرتا یا جھڑکتا نظر آیا تھا۔ اس کے بعد بے اعتباری کا فیز آیا۔ پھر سچ سن کے چپ ہو گیا اور اب.....؟؟ اتنا نرم؟ اسے حوصلہ ہوا۔

''کیا ہم.... واقعی واپس جا سکتے ہیں۔''

''اگر ہم آ سکتے ہیں' تو جا بھی سکتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کب' لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کو واپس لے جانے کے لئے مجھے جو کرنا پڑا' میں کروں گا۔''

''مگر....''

''تالیہ....'' وہ ایک دم الرٹ سا سیدھا ہوا۔ ''ہلنا مت۔''

وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ آنکھیں حیرت سے چھوٹی کیں۔ ''کیا ہوا؟''

''ساکن کھڑی رہو۔ بالکل اسٹل۔ خاموش اور اسٹل۔ اب میں جو کہنے جا رہا ہوں' اس پہ ری ایکٹ مت کرنا۔''

وہ بالکل ساکت ہو گئی' مگر چہرے پہ حیرانی تھی۔ نظریں گھما کے ایڈم کو دیکھا جو دھیرے دھیرے اس سے دور ہٹ رہا تھا۔

''سس....'' اس نے تب وہ پھنکار سنی۔ سارا وجود سن ہو گیا۔

''ریلیکس رہو۔تمہارے سر کے اوپر سانپ ہے اور یہ زہریلا ہے۔مگر ہلنا مت تالیہ۔ہلنا مت۔'' وہ پلک جھپکے بنا اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ دم سادھے کھڑی رہی۔پھر پلکیں جھپک کے اثبات میں اشارہ کیا۔

ایک سیاہ چمکیلا سانپ اوپر دیوار پہ پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔

''اگر تم اچانک ہلیں تو یہ حملہ کر دے گا۔سانپ ہمیشہ ڈر کے حملہ کرتا ہے۔'' وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔''ایڈم....تم بہت آہستہ سے نیچے پڑا بیگ اٹھاؤ اور کھولو۔تالیہ مجھے بتاؤ' تمہارے پاس کوئی نوکیلی چیز ہے۔''

''خنجر ہے۔'' وہ بدقت بول پائی۔وہ دیوار سے لگی تھی۔چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور پیشانی پہ پسینہ آ رہا تھا۔ایڈم نے آہستہ سے پیر سے بیگ کو قریب کیا اور دھیرے دھیرے نیچے بیٹھا....

سانپ ہل نہیں رہا تھا مگر گردن دائیں بائیں کر کے وہ آگے پیچھے دیکھ رہا تھا۔

''سانپ دشمن ہوتا ہے۔اور دشمن کو ہرانے کا طریقہ کیا ہے' جانتی ہو؟'' وہ تالیہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا ۔ایڈم نے بیگ کی زپ کھولی۔

''کیا؟'' اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا تھا۔

''دشمن کے سامنے panic نہیں کرتے۔خود کو ریلیکس رکھتے ہیں۔اس کو علم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس سے ڈرتی ہو۔''

ایڈم نے بیگ کھولا....اندر چند اوزار رکھے تھے۔خنجر سامنے ہی تھا۔سب کچھ بھیگا ہوا تھا۔اس نے خنجر نکال کے فاتح کے ہاتھ میں دیا۔

''آپ کو....'' وہ فاتح کو دیکھتے ہوئے رک رک کے بولی۔''لگتا ہے کہ....میں.... panic کر رہی ہو؟''

''ظاہر ہے تم panic کر رہی ہو....بلکہ تم سفید پڑ رہی ہو....ریلیکس....ایک سانپ ہی تو ہے۔'' اس نے خنجر دستے سے ہاتھ میں پکڑا۔نظریں کسی شکاری کی طرح سانپ پہ جمی تھیں۔

''میں....خوفزدہ....اس لئے نہیں ہوں کہ....'' اس کے ابرو سے پسینے کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے اور لب ہلائے بغیر بدقت بول رہی تھی۔''کہ مجھے سانپ کا ڈر ہے۔''

''رئیلی.....پھر....'' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔قریب آ رہا تھا....

''مجھے.....اس بات کا ڈر ہے کہ....آپ دونوں....'' اس نے گلابی پڑتی آنکھوں سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھا۔''مجھے....اس سانپ کے....حوالے کر کے....اکیلا....چھوڑ جائیں گے۔''

وہ ٹھہرا۔قدرے بے یقینی' قدرے افسوس سے اسے دیکھا۔''تمہیں لگتا ہے میں اتنا برا ہوں؟''

"نہیں۔آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنی بری ہوں۔" ایک آنسو آنکھ کے کنارے سے ٹپکا اور پسینے کے ساتھ خلط ملط ہو گیا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔سانپ پہ نظریں جمائے مزید قریب آیا اور پھر ایک دم بازو بڑھا کے چاقو اس کے اندر گھونپ دیا۔ لمحے بھر کا عمل تھا۔سانپ کا سر کٹ کے نیچے جا گرا۔اور لمبا سا دھڑ دیوار پہ تڑپنے لگا۔

وہ تیزی سے باہر کو بھاگی۔ایڈم نے سر کے گرتے ہی اسے بوٹ تلے کچل دیا۔

وان فاتح نے اس کا تڑپتا دھڑ اٹھایا اور الٹ پلٹ کے بغور دیکھنے لگا۔چند سیکنڈ میں اس کی تڑپ دم توڑ گئی۔

وہ ہراساں سی باہر کھڑی تھی۔رسی نما دھڑ اٹھائے وہ باہر آیا اور اسے دور اچھال دیا۔جنگل کے گھنے درختوں اور اونچی نیچی ڈھلان میں وہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔پھر اس نے فرصت سے اس لڑکی کو دیکھا جو بار بار تھوک نگل رہی تھی۔اسے دیکھتا پا کے وہ دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا۔اگر آئندہ کہوں کہ میں تمہیں بچا لوں گا تو اس کا مطلب ہے' میں.... تمہیں...بچا لوں گا۔"

"ہاں۔جھوٹ تو صرف میں بولتی ہوں۔آپ سب تو بہت عظیم انسان ہیں۔" اس کا جانے کیوں گلا رندھ گیا۔بھیگی آواز میں کہتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

چاندنی اتنی مدھم تھی کہ وہ چند قدم ہی آگے جا پائی۔پھر رکی۔(اگر یہاں بھی سانپ ہوئے؟ اوہ نو۔) وہ واپس پلٹی اور غار کی طرف قدم بڑھانے لگی۔مٹی گیلی تھی' اس لئے اس کے قدموں نے چاپ پیدا نہیں کی۔پتے تک نہیں کھڑکے۔وہ غار کے قریب تھی کہ سماعت سے آوازیں ٹکرائیں۔اندر فاتح اور ایڈم کچھ بول رہے تھے۔وہ رک کے سننے لگی۔ایڈم نے جانے منمنا کے کیا کہا تھا' کہ وہ جواب میں کہنے لگا تھا۔

"میں آئندہ کبھی نہ سنوں کہ تم اس کو اس کی پرانی زندگی کا حوالہ دے رہے ہو۔یاد رکھو' اس نے ہم سے سچ بولا ہے۔اس کے لئے بہت ہمت چاہیے ہوتی ہے۔"

وہ چونک کے غار کو دیکھنے لگی۔

"مگر سر' چند گھنٹے پہلے تک تو وہ اسی زندگی میں تھیں۔انہوں نے وہ چھوڑی تو نہیں ہے اور کیا معلوم وہ اب بھی کچھ نہ کچھ جھوٹ بول رہی ہوں۔"

"وہ جھوٹ نہیں بول رہی اب۔"

"ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اب سچ بول رہی ہیں۔"

"ہمیں پتہ چلانے کی ضرورت ہے بھی نہیں۔ہمیں صرف انسان کے اندر کی اچھائی پہ بھروسہ کرنا ہوتا ہے۔کبھی کبھی کسی پہ ہمارا

یقین اس کو سچا بنا دیتا ہے۔ بہر حال' آئیندہ میں تمہارے منہ سے نہ سنوں یہ سب۔'' تالیہ کا دل بھر آیا۔

''آئیندہ؟'' ایڈم کا دماغ ایک ہی لفظ پہ اٹک گیا۔

''ہاں ایڈم.... آئیندہ! کیونکہ اس جنگل سے نکلنے میں ہمیں ابھی کافی وقت لگنا ہے....''

''کافی وقت کیوں؟''

''کیونکہ جنگل.... زندہ ہوتا ہے۔''

غار کے باہر کھڑی لڑکی جہاں بہت سے بوجھ سے آزاد ہوئی' وہیں ایک بازگشت اسے چاروں طرف سنائی دینے لگی۔

جنگل زندہ ہوتا ہے۔ جنگل ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

رات لمحہ بہ لمحہ بیت رہی تھی۔

رات صدی بہ صدی بیت رہی تھی۔

اتنی سیاہ گھور اندھیر رات.... لگتا تھا کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔ جنگل میں دور دور سے مسلسل آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پرندوں اور جانوروں کی۔ مگر وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ایڈم غار سے نکل آیا تھا اور باہر ایک پتھر پہ بیٹھا تھا۔ فاتح قریب میں ٹارچ سے روشنی ڈالے کچھ تلاش کر رہا تھا۔ آستینیں چڑھا رکھی تھیں' اور انداز میں ٹھہراؤ تھا۔

تالیہ کافی فاصلے پہ بارش کے جمع ہوئے پانی کے جوہڑ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ سیل کی ٹارچ اس نے جلا رکھی تھی' کہ جانے کب کوئی سانپ بچھو نکل آئے۔ جنگل زندہ تھا۔ احساس ہو گیا تھا۔ پتھروں کے نیچے.... درختوں پہ.... چٹانوں پہ رینگتے کتنے جانور اور کیڑے مکوڑے ان کے ساتھ موجود تھے۔ وہ جنگل کو زندہ رکھے ہوئے تھے۔

اس کے پاس پانی کی ایک ہی بوتل تھی جس سے وہ تینوں پانی پی چکے تھے اور پانی ختم ہو چکا تھا۔ کولا کا کین بھی ختم ہو چکا تھا۔ شدید حبس اور گرمی ہو رہی تھی۔

''سر....'' ایڈم نے فاتح کو یوں پتھروں میں کچھ تلاش کرتے دیکھا تو پکار اٹھا۔ ''آپ اتنے آرام دہ کیسے لگ ہو گئے ہیں؟ میرا تو مارے مایوسی کے برا حال ہے۔'' وہ اداس لگ رہا تھا۔

''وان فاتح نے اس سے بڑے حادثے دیکھے ہیں' ایڈم۔''

''کیا آپ جنگلوں میں بہت آیا کرتے تھے؟ چھٹیوں وغیرہ میں....''

''تم نے تو ملٹری میں ٹریننگ لی ہے' تم سے زیادہ وقت نہیں گزارا ہو گا میں نے جنگلوں میں۔'' اس نے ایک لکڑی کی ٹہنی زمین

سے اٹھائی اور خنجر سے اسے کاٹا۔

تالیہ رخ موڑے پانی کے قریب بیٹھی تھی' البتہ کان وہیں لگے تھے۔ خنجر سے ٹہنی کے کاٹنے کی آواز کی گونج پلٹ پلٹ کے سنائی دی تھی۔

''ملٹری کی یاد بھی تکلیف دہ ہے....'' ایڈم نے چہرہ ہاتھوں میں گرا دیا۔ ''میں وہ سب بھلانے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔''

''کیوں؟'' فاتح اس کے سامنے پتھر پہ آ بیٹھا اور گھٹنے پہ ٹہنی رکھ لی۔ پھر خنجر سے اسے چھیلنے لگا۔

''کیونکہ مجھے نسلی تعصب کی وجہ سے وہاں سے نکالا گیا تھا۔ میں وہ سب نہیں بن سکا وہاں جو میرے دوست بنتے گئے۔''

''تو اس میں اتنا غمگین ہونے والی کون سی بات ہے؟ ہر انسان کسی نہ کسی مقام پہ جاب میں دھکا کھاتا ہے۔'' وہ اب سر جھکائے لکڑی کو مہارت سے خنجر سے چھیل رہا تھا۔ ایڈم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''سر.... میری جاب چلی گئی' میرا کیریئر ختم ہو گیا۔ اس دھکے نے میری زندگی برباد کر دی۔''

''اور تم نے اس سے کیا سیکھا؟'' خنجر چلاتے ہوئے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا۔ ''کیا تم نے اس واقعے سے کچھ نہیں سیکھا؟''

تالیہ نے گھٹنوں سے چہرہ اٹھایا اور مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ میری زندگی کا ایک ٹریجک ترین واقعہ تھا۔''

''ایڈم' ہمارے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو چیزوں سے آزاد کر دیا تھا۔ ماضی کے غم اور (تالیہ کو کنکھیوں سے دیکھا۔) مستقبل کے خوف سے۔ کوئی برا واقعہ تمہارے ساتھ گزرا بھی ہے تو تم اس کو اپنا استاد بنا لو۔ بس۔ بات ختم۔''

''وہ کیسے؟''

''سوچو کہ یہ کیوں ہوا؟ اور اگلی دفعہ وہ کام نہ کرو۔ اس کو میچور ہونا یا گرو کرنا کہتے ہیں۔ کیوں تم لوگ پرانے غم سینے سے لگائے بیٹھے رہتے ہو۔ دنیا ماضی اور مستقبل کی قید سے آزاد لوگوں کی ہے۔'' چاقو کے لکڑی پہ چلنے کی آوازیں برابر سنائی دے رہی تھیں۔

''مگر مجھے لگتا ہے میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں۔ میں بات بات پہ گلٹی فیل کرتا ہوں۔ یہ کیا بول دیا' یہ کیوں کر دیا۔''

تالیہ نے ناک سکوڑ کے چہرہ موڑ لیا۔ (گلٹی کا بچہ۔ اتنے دن میرے پیچھے پڑا رہا۔)

''یہ ان لوگوں کی نشانی ہے جو نہ خود سے پیار کرتے ہیں' اور نہ ہی خود پہ بھروسہ کرتے ہیں۔''

''میرے پاس خود سے پیار کرنے کے لئے کوئی وجہ ہی نہیں ہے' سر۔'' اس نے پھر سے چہرہ جھکا لیا۔

''تو پھر خود پہ بھروسہ کرنے کی وجہ ڈھونڈو۔ کسی کام میں تو تم بھی اچھے ہو گے۔'' وہ ٹہنی کو اب ایک طرف سے کاٹ رہا تھا۔ ایسی مہارت سے گویا ساری عمر یہی کام کرتا آیا ہو۔

''اگر ہوتا تو جاب نہ مل جاتی؟ میرا تو کوئی ٹیلنٹ ہی نہیں ہے۔''اس کی گردن ابھی تک جھکی تھی۔اطراف میں کھڑے اونچے درخت خاموشی سے ان کو دیکھتے رہے۔

''ہر انسان میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔تم میں بھی ہوگا۔مایوسی چھوڑو اور یاد کرو۔تم نے صباح کے جنگلوں میں تربیت لی ہے۔جنگل میں انسان کو جو معلوم ہوتا ہے'وہ اس کی جان بچاتا ہے'اور جو معلوم نہیں ہوتا (توقف کیا) وہ مار ڈالتا ہے۔''

اس کی آواز کی سنسنی اور رات کا اندھیرا۔تالیہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

ایڈم نے پیشانی کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔''مجھے کچھ بھی نہیں یاد۔ہم تربیت لیتے تھے۔ہمارے پاس گنز ہوتی تھیں۔ہم دشمن کا سوچتے تھے۔دشمن کے مورچے'باوردی سرنگیں۔''اس نے کراہ کے نفی میں سر ہلایا۔''میں ایک ٹوٹل فیلیئر ہوں سر۔''

وان فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ لکڑی کو چھیلتا رہا۔ایڈم چند لمحے بے بسی سے اسے دیکھتا رہا'پھر لبوں کو جنبش دی۔''آپ کی بیٹی بھی پہاڑوں میں کھوئی تھی نا'سر۔''

خنجر سے لکڑی کو چھیلتے اس کے ہاتھ تھمے۔سوگواریت سے مسکرایا اور نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔''ہاں۔گینٹنگ ہائی لینڈ کے ٹریک پہ۔''

تالیہ پھر سے مڑ کے اس کو دیکھنے لگی۔اسے آریانہ کے ذکر پہ وان فاتح کے چہرے پہ جس دکھ کی توقع تھی'وہ وہاں نہیں تھا۔

''کیا آپ اس کے بعد دوبارہ بھی جنگل یا پہاڑوں میں گئے؟ آپ کو تکلیف نہیں ہوتی تھی؟''

''ظاہر ہے'میں گیا۔اور تکلیف کا علاج فرار سے نہیں کیا جاتا۔جو تکلیف دیتا ہے'اس سے بھاگ جاؤ تو کیا زخم بھر جائے گا؟ نہیں'بے وقوف انسان۔ماضی سے نکل کے حال میں جینے سے زخم بھرتے ہیں۔تالیہ....مجھے تمہارا کوٹ چاہیے۔''آخر میں گردن گھما کے پانی کی طرف دیکھا جہاں وہ گردن موڑے بیٹھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرا کوٹ کیوں؟''اس نے اچنبھے سے ساتھ رکھے کوٹ کو دیکھا جو گرمی کے باعث اس نے اتار دیا تھا'پھر اسے اٹھایا اور گول مول کر کے فاتح کی طرف اچھال دیا۔

''کیونکہ میں فیز تھری میں ہوں'اور تم دونوں ابھی فیز ون سے نہیں نکلے۔''کوٹ اس کے قریب گرا تو فاتح نے جھک کے وہ اٹھایا اور اسے الٹایا۔پھر اندر ایک جگہ خنجر رکھا۔''جنگل میں آنے کے بعد....تمہیں ملٹری میں بتایا گیا ہوگا ایڈم....انسان تین فیزز سے گزرتا ہے۔''

خنجر کو اندر گھونپا اور زور سے نیچے لایا۔کوٹ کی اندرونی لائننگ شڑپ کی آواز کے ساتھ کٹتی چلی گئی۔تالیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔(میرا رالف لارین کا کوٹ۔)

''فیز ون....جب انسان جنگل میں اترتا ہے'اور اسے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون سی دنیا میں آ گیا ہے۔خوف کا فیز۔''

اب وہ ہاتھوں سے لائننگ پھاڑ رہا تھا۔ریشمی کپڑے کے پھٹنے کی آواز دور دور تک جاتی اور بازگشت پلٹ کے سنائی دیتی۔

''فیز ٹو....جب اسے احساس ہوتا ہے کہ جنگل زندہ ہے۔ سانپ' بچھو' کیڑے....وہ اس کے فرش اور درختوں میں چھپ کر انسان کو دیکھ رہے ہیں۔''

تالیہ کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے۔ وہ پانی سے ذرا دور سمٹی۔ ایڈم نے اپنے پیر اونچے کر کے دوسرے پتھر پہ رکھ لیے۔

''اور فیز تھری!'' اس نے خنجر رکھ دیا اور کوٹ اٹھا کے دیکھا۔ لائننگ کھل جانے کے باعث جو بڑا سا کپڑا بن گیا تھا۔ ''جب انسان جنگل سے لڑنے کا ارادہ ترک کر کے سمجھداری سے پلان بناتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے' اور کہاں جانا ہے۔ بہتر ہوگا اگر تم لوگ جلد اپنے حالات سے سمجھوتہ کر لو اور آگے کا سوچو۔'' وہ کوٹ اور ٹہنی اٹھائے کھڑا ہوا اور ٹارچ کی روشنی آگے پھینکتا ایک طرف چلتا گیا۔ وہ دونوں گردنیں موڑ کے اسے جاتے دیکھتے رہے' یہاں تک کہ روشنی غائب ہوگئی۔

''فاتح صاحب کہاں گئے؟'' وہ بول اٹھا۔

''وہ اتنے مطمئن کیسے ہو سکتے ہیں؟'' وہ بڑبڑائی۔ گردن اٹھا کے اطراف کو دیکھا جہاں مہیب' پراسرار درخت اسے دیکھ رہے تھے۔ زندہ درخت۔ زندہ جنگل۔ اسے جھرجھری آئی۔ ایڈم بھی یہی سوچ رہا تھا مگر بولا نہیں۔

دور....کافی فاصلے پہ وہ ٹارچ کی روشنی آگے ڈالتا چلا جا رہا تھا۔ سفید لباس والی آریانہ چپکے سے اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

''مجھے پتہ ہے ڈیڈ' آپ ان کے سامنے خود کو کتنا مضبوط ظاہر کریں' آپ خود بھی پریشان ہیں۔''

''ظاہر ہے میں پریشان ہوں' فرسٹریٹڈ ہوں' بلکہ وحشت زدہ ہوں۔'' وہ ایک درخت کے قریب رکا اور اس سے لگی موٹی ٹہنی کو چھوا۔

''تو آپ کو واقعی یقین ہے کہ آپ ان کو اس جنگل سے نکال لیں گے؟''

''میں نے تمہیں ہمیشہ کیا سکھایا ہے آریانہ؟'' وہ آرام سے بولتے ہوئے ٹہنی کو درخت سے اتارنے لگا جو بل کی صورت میں اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ ''انسان امید نہیں چھوڑتا۔ جتنے برے حالات ہوں' آنکھیں ہمیشہ 'انعام' پہ رکھنی ہوتی ہیں۔ صبر کے میٹھے پھل پہ۔''

''Eyes on the Prize!'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ مگر اس کی ہنسی کی بازگشت نہیں سنائی دیتی تھی۔

''اور اگر میں ان دونوں کو ایک جنگل سے نہ نکال سکا....'' اس نے ٹہنی اتارتے ہوئے زخمی سا مسکرا کے آریانہ کو دیکھا۔ ''تو میں اپنے ملک کے کروڑوں لوگوں کو ان حالات سے کیسے نکالوں گا جس میں وہ جی رہے ہیں؟''

وہ مسکرا دی۔ فاتح ٹہنی کے بل کھولنے لگا۔ جب اسے اتار کے وہ مڑا تو آریانہ غائب ہو چکی تھی۔

وہ گہری سانس لے کر واپسی کے لئے قدم اٹھانے لگا۔

'Eyes on the Prize'

☆......☆......☆

رات ایسی طویل تھی کہ کٹتی ہی نہیں تھی۔ اندھیرا چھٹتا ہی نہیں تھا۔ چاند کی روشنی پہنچتی ہی نہیں تھی۔ اس کے موبائل کی بیٹری گر رہی تھی مگر وہ پھر بھی اسے جلائے بیٹھی تھی۔ نیند کا احساس تو غالب نہیں آیا مگر اب بالآخر بھوک لگنے لگی تھی۔

پتھروں اور پتوں پہ بوٹ رکھنے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔ فاتح اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ ذرا چوکنی سی ہو کے بیٹھی۔ مڑ کے نہیں دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ والے پتھر پہ آ کے بیٹھا اور کوٹ کا ٹکڑا اس کو دکھایا۔

''تمہیں اس کی ضرورت تو نہیں تھی؟''

اس نے اداس نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں' تو انکو۔'' آواز دھیمی تھی۔

''کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے؟''

''چاکلیٹ.....رکھتے رکھتے رہ گئی۔ اب بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''صبح ہوتے ہی ہم کھانا ڈھونڈیں گے۔ فکر مت کرو۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''میں نے آپ کے گھر میں چوری کی ....آپ کو حالم بن کے دھوکہ دیا۔ گھائل غزال ....نیلامی....گھر خریدنا.... پینٹنگ بنانا....میں نے اتنے اسکام کیے اور آپ ایک دم میرے ساتھ اچھے ہو گئے ہیں۔ کیوں؟''

''کیونکہ تم نے مجھ سے سچ بولا ہے۔'' وہ اسی نرمی سے بولا تھا۔

''میرے پاس کوئی اور آپشن تھا کیا؟''

''تالیہ' اگر تم اب ہمیشہ...'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کیا لفاظ ادا کیے۔ ''مجھ سے سچ بولو گی....تو مجھے تم سے کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''

''مگر آپ دل سے میری عزت نہیں کرتے نا۔'' وہ دکھی ہوئی۔ ''اگر ہم واپس گئے بھی تو آپ مجھے ایک دن میں ہی بھول جائیں گے۔''

''تمہیں واپس جانے کا یقین نہیں ہے؟'' رات کے اندھیرے میں وہ شخص سامنے بیٹھا تھا جس پہ ایک دوسری دنیا میں جانے کتنے لوگ فدا تھے۔ جس کا ایک ایک منٹ کیلکولیٹڈ ہوتا تھا۔ پولیٹیکل سیکرٹری کی ڈائری میں نوٹ شدہ۔ اور اب....وہ اس کے سامنے فرصت سے بیٹھا تھا۔ ایک تنہا جنگل میں۔ جہاں کرنے کو کوئی اور کام نہ تھا۔

''میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتی تھی' تو انکو۔ ایڈم کی طرح میں ماضی میں بھی نہیں رہتی۔'' وہ سوگواریت سے پانی کو دیکھتے ہوئے بتانے لگی۔ ''میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ پلان اے فیل ہوا' تو سی' نہیں تو ڈی۔''

''اور بی؟''

''تالیہ کے پلان ہیں' تالیہ کی مرضی۔'' ذرا سے کندھے اچکائے۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''مگر اب میرے پاس کوئی پلان نہیں ہے۔'' اس نے تھوڑی گھٹنوں پہ رکھ دی اور تالاب کو دیکھنے لگی۔ ''میں اتنے عرصے سے

ایک بڑی واردات کا انتظار کر رہی تھی۔ میرے مستقبل کے سارے خواب اس کے ساتھ جڑے تھے۔ پھر خزانے کا ذکر آیا تو مجھے لگا' یہی میرے سارے مسئلوں کا حل ہے لیکن اب.... جب خزانہ نہیں ہے تو میرا مستقبل ہی ختم ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی امید نہیں رہی۔''

''تم مستقبل کے خوف کا شکار ہو۔ یہ ماضی کے غم جیسا ہی برا ہوتا ہے۔'' وہ افسوس سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اندھیر جنگل خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور دور بیٹھا ایڈم بھی۔

''آپ کو مستقبل سے خوف نہیں آتا؟''

''مثلاً کس چیز سے؟''

''جب آپ وزیرِ اعظم نہیں بنیں گے تو جو جگ ہنسائی اور شرمندگی ہو گی۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ آپ وزیرِ اعظم نہیں بن سکتے' تو انکو۔''

''اچھا۔'' وہ دلچسپی سے مسکرایا۔ ''اور میں وزیرِ اعظم کیوں نہیں بن سکتا۔''

''کیونکہ آپ سیاسی طور پہ مضبوط نہیں ہیں۔ سیاستدان آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ آپ ان جیسے داؤ پیچ آزمانا نہیں جانتے۔ آپ....'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ بے بسی بھرے غصے سے۔ ''آخر آپ کیوں لڑ رہے ہیں سیاسی جنگیں آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ آپ نے ہار جانا ہے۔ آپ سب چھوڑ کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ملک سے چلے کیوں نہیں جاتے؟''

''تم نے کبھی فٹبال میچ دیکھا ہے؟'' وہ اسی طرح دلچسپی سے مسکراتا گویا ہوا تو تالیہ نے گہری سانس لی اور اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا۔

''جی تو انکو۔ دیکھا ہے۔''

''ایک دفعہ میں امریکہ میں ایک میچ دیکھنے گیا۔ بچپن کی بات ہے۔ جانتی ہو ایک ٹیم نے چار گول کر لیے تھے' اور دوسری کے گول صفر تھے۔ میچ کے آخری تین منٹ تھے اور دوسری ٹیم کے کھلاڑی آخری حد تک مقابلہ کر رہے تھے۔ بار بار حملہ کرتے۔ ہمت ہارے بغیر۔ تین منٹ میں ان کو جیتنے کے لیے پانچ گول چاہیے تھے۔''

''وہ تین منٹ میں پانچ گول تو نہیں کر سکتے تھے' پھر کیوں؟''

''یہی تو میں نے سوچا.... سب کو معلوم ہے کہ پہلی ٹیم جیت جائے گی' پھر دوسری ٹیم آخری سیکنڈ تک کیوں لڑ رہی ہے؟ ہتھیار ڈال دے اور بس کر دے۔ اور پھر پہلی ٹیم جیت بھی گئی لیکن آخری سیکنڈ تک دوسری ٹیم کے لڑکے جواں مردی سے لگے رہے۔''

خاموش مگر زندہ جنگل سن رہا تھا۔ ایک ایک حرف کو بغور پرکھ رہا تھا۔ وان فاتح کہے جا رہا تھا۔

''مگر جب میں بڑا ہوا اور میں نے دنیا دیکھی تو مجھے احساس ہوا کہ.... لڑائی صرف جیتنے کے لئے نہیں لڑی جاتی۔ دوسری ٹیم ہتھیار ڈالتی' تو بھی ہار جاتی۔ آخری منٹ تک مقابلہ کرتی تو بھی ہار جاتی۔ پھر بھی اس نے لڑنے کو اس لئے چنا کیونکہ جب ہم لڑ کے ہارتے

ہیں تو ہم اس سے کچھ سیکھتے ہیں۔"

تالیہ کا موبائل پتھر پہ پڑا چمک رہا تھا اور اس کی روشنی فاتح کے چہرے کو منور کیے ہوئے تھی۔

"پھر ہم اپنی غلطیوں کا جائزہ امید کے ساتھ لیتے ہیں اور اگلی دفعہ زیادہ جذبے سے میدان میں اترتے ہیں۔ زندگی میں یا ہم نیچے جا رہے ہوتے ہیں' یا اوپر۔ ہمیں ہر لمحہ خود کو اپنے کیریئر' رشتوں' اور عمل میں بہتر کرنا ہوتا ہے۔ جہاں ہم رکے.... وہاں ہم (ہاتھ سے اشارہ کیا) نیچے گئے۔"

"آپ کو اس بھیانک جنگل میں کون سی امید نظر آ رہی ہے؟ میری تو زندگی ہی ختم ہو گئی ہے۔"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ شدید مضطرب اور چڑچڑی دکھائی دیتی تھی۔

"تم نے کہا تم ان کاموں کو چھوڑ دینا چاہتی تھیں۔ کیوں؟"

"کیونکہ میں تنگ آ گئی تھی۔" وہ دبا دبا سا چلائی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ "میں لوگوں کو دھوکے دے دے کر' ان سے جھوٹ بول بول کر بےزار آ چکی تھی۔ مجھے سکون چاہیے تھا۔"

"گڈ۔ اب تمہیں یہاں کسی سے جھوٹ نہیں بولنا پڑے گا۔"

تالیہ مراد بالکل ٹھہر گئی۔ گم صم۔ لاجواب۔

"یو سی...." وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھا۔ "تم یہاں بنا خوف و خطر سچ بول سکتی ہو۔ یہاں کوئی پولیس نہیں ہے۔ اگر یہ واقعی پندرہویں صدی ہے تو یہاں کوئی تمہیں اکیسویں صدی کے جرائم کے لئے نہیں پکڑے گا' تالیہ۔ تم نئے سرے سے سب شروع کر سکتی ہو۔"

اس کے کھڑے ہوتے ہی آسمان کا وہ ذرا ذرا سا حصہ جو گھنے درختوں سے نظر آتا تھا' سفید پڑنے لگا۔ سورج کی پہلی کرنیں درختوں کے بیچ سے گزر کے جنگل کے فرش پہ پڑیں تو وہ دنگ رہ گئی۔

رات کو بالآخر صبح نے مات دے دی تھی' رات دم توڑ گئی تھی۔ کیا واقعی؟

وہ تو سمجھنے لگی تھی کہ دنیا سے سارے اجالے ختم ہو گئے تھے مگر.... نہیں....

اس نے چونک کے وان فاتح کو دیکھا جو اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا.... امید ابھی بھی باقی تھی۔

اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ بکھر گئی۔ فاتح کو دیکھتے ہوئے اس نے سر کو خم دیا۔ گویا کچھ باتیں دماغ میں بیٹھی تھیں۔

"میں کچھ کھانے کے لئے ڈھونڈتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے مڑا اور درختوں کی قطار کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ یکدم رکا اور ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ کوئی جھکی ہوئی نوکیلی شاخ اس کے ہاتھ کی پشت کو کھرچ گئی تھی۔ جنگل میں ہر طرف سب کچھ اتنا نوکیلا اور تیز تھا کہ بچنا ناممکن تھا۔

وہ رک کے اپنا ہاتھ دیکھنے لگا۔ سطح پہ معمولی سا کٹ لگا تھا اور خون کے دو قطرے بہے تھے۔

''تو انکو!'' وہ پریشانی سے کھڑی ہوئی۔''آپ کو زخم آیا ہے۔''

''ذرا سا کٹ ہے۔''

''آف کورس مجھے پتہ ہے کہ یہ ذرا سا کٹ ہے مگر یہ اوپن wound ہے اور ہم جنگل میں ہیں۔ یہ تو septic ہو جائے گا۔'' وہ اٹھی اور فکرمندی سے کہتی قریب آئی۔

ایڈم جو ابھی تک سامنے اداس سا بیٹھا تھا' بس سر اٹھا کے دیکھنے لگا۔ افسوس اور مزید اداسی سے۔

''امید ہے septic نہیں ہوگا۔'' فاتح نے ہاتھ نیچے کر لیا اور عام سے انداز میں تسلی دی مگر وہ پریشانی سے اسے دیکھتی رہی۔

''میرے پاس تو صرف اوزار ہیں۔ کوئی اینٹی سپٹک ساتھ رکھنے کی عادت ہی نہیں ڈالی کبھی خود کو۔ اب کیا ہوگا؟ ہم تو ان چھوٹے چھوٹے زخموں سے ہی مر جائیں گے۔'' صبح کی پھیلتی سفیدی بھی اس کی امید کو نا امیدی میں بدلنے سے نہ روک سکی۔

ایڈم بن محمد نے ایک دم سر اٹھایا۔''antiseptic'' وہ بڑبڑایا۔

دونوں نے گردنیں موڑ کے اسے دیکھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ کھڑا ہوا تھا۔

''ہمیں اینٹی سپٹک کی کیا ضرورت ہے؟ ہم رین فوریسٹ میں ہیں۔ یہ قدرت کی سب سے بڑی میڈیسن کیبنیٹ ہے۔'' چونکنے ہوئے انداز میں ایڈم اپنی ایڑیوں پہ گھوما۔ گول چکر کی صورت اس نے چاروں طرف دیکھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت بھی ہوتے ہیں' آسمان بھی دکھائی دیتا ہے اور زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بھی اُگی ہوتی ہیں۔ رین فاریسٹ کے درخت اتنی گنجلک ہوتے ہیں' اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن جاتی ہے۔ سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی۔ سو زمین پہ پودے اور جھاڑیاں کم کم ہوتے ہیں۔ اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشوونما پاتے ہیں۔)

وہ جو پہلے درختوں سے اٹا جنگل دکھائی دے رہا تھا.... ایک دم وہ کچھ اور دکھائی دینے لگا... مختلف قسم کے پتے.... مختلف قسم کی لکڑیاں.... کہیں کہیں اُگے جنگلی پھول.... جڑی بوٹیاں.... ہر شے جیسے چمکنے لگی تھی.... ان کے نام.... ان کے کام.... صبح کی سفیدی نے ذہن کو کسی اور طرح سے بیدار کر دیا تھا۔

''ملائیشیاء کے رین فاریسٹ میں دس ہزار سے زیادہ اقسام کے پودے اور درخت ہوتے ہیں۔ یہ تو قدرت کی پوری فارمیسی ہے۔'' وہ مسحور سا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟'' وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''سیریئسلی چے تالیہ... آپ کتابیں نہیں پڑھتیں کیا؟'' وہ تیزی سے فاتح کے قریب آیا جو غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کا

ہاتھ اٹھا کے دیکھا۔

''ہمیں جنگل میں سکھایا گیا تھا کہ کیا کھانا ہے اور زخم پہ کیا لگانا ہے اور میں خود جڑی بوٹیوں سے اپنے دمے کا علاج کرتا تھا۔ میرے پاس ایک کتاب بھی تھی۔'' اس نے فاتح کا ہاتھ اٹھا کے معائنہ کیا۔ ''آپ کا اوپن wound ہے۔ اس کے لئے ہمیں....'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''destroyer پلانٹ کے پتے چاہیے ہیں۔ رین فاریسٹ میں اس کی بہتات ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے سفید پھولوں والا یہ پودا کل اس طرف دیکھا تھا۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔''

''اور ساتھ میں کچھ کھانے کے لئے بھی۔'' فاتح مسکرا کے اس کا جوش دیکھ رہا تھا۔

ایڈم کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔ وہ بے کار اور ناکام نہیں ہے' یہ خیال اس کے اندر بجلیاں بھر رہا تھا۔ اس نے جلدی سے تالیہ کا خنجر اٹھایا اور آگے بڑھ گیا۔ پھر ذرا ٹھہرا اور قریب میں ایک پودے کے پتوں کو توڑ مروڑ کے ان کا رخ موڑ دیا۔ چند قدم آگے بڑھا اور قطار میں ایک اور پودے کے پتے مروڑ کے موڑے۔

''یہ کیا کر رہا ہے؟'' وہ ابھی تک شک سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ راستے پہ نشانیاں چھوڑ رہا ہے۔ تاکہ واپس آسانی سے پہنچ جائے۔ وہ خود پہ بھروسہ کرنا سیکھ رہا ہے۔ جو اسے معلوم ہے' وہ جان بچائے گا' جو نہیں معلوم' وہ جان لے سکتا ہے۔'' وہ کمر پہ ہاتھ رکھے مسکرا کے اسے دور جاتے دیکھ رہا تھا۔ پھر تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ ''تم فکر مت کرو۔ وہ کھانے کے لئے کچھ لے آئے گا۔ پھر ہم اگلا لائحہ عمل تیار کریں گے۔''

''اوکے!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرائی۔ چلو شکر ہے وہ صحرا میں نہیں تھے' بلکہ جنگل میں تھے۔ یہاں مختلف پھل مل جائیں گے کھانے کے لئے۔ پانی کے تازہ جھرنے بھی کہیں بہہ رہے تھے' آواز آ رہی تھی۔ یہ بارش کے پانی کا جوہڑ تو گندا تھا' مگر جھرنے تک جب وہ جائیں گے تو خوب سیر ہو کے پی لیں گے۔

اس نے خود کو تسلی دی۔

جنگل میں اچھی خاصی روشنی پھیل چکی تھی۔ درخت کافی اونچے تھے اور اوپر جا کر ان کے پتے آپس میں گلے مل رہے تھے' گویا سبز سی چھت بنا رکھی تھی۔ سبز چھت کے درمیان بڑے بڑے سوراخوں سے روشنی چھاؤں کی صورت اندر آتی لیکن گرمی اور حبس بلا کا تھا۔

روشنی سنہری ہو گئی تھی جب ایڈم واپس آیا۔ اپنی اوپری شرٹ اس نے اتار دی تھی اور اب صرف سیاہ شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ دوسری شرٹ میں جانے کون سے پتے اور جڑی بوٹیاں بھر لایا تھا۔

فاتح وہیں پتھر پہ بیٹھا تھا۔ ایڈم نے اس کا ہاتھ تھاما اور ایک پتے کو مروڑ کے اس کا رس زخم پہ لگایا۔

''یہ کسی بھی اینٹی سپٹک سے زیادہ تیزی سے اثر کرے گا۔'' وہ جوش سے بتا رہا تھا۔

''تھینک یو ایڈم!'' وہ مسکرا کے اس کا انداز دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ کھڑا ہوا اور ایک پتے میں کچھ لپٹا ہوا تالیہ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کھانے کے لئے ہے۔'' تالیہ کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اس نے بھاری سا وہ پتا پکڑا اور ساتھ پتھر پہ بیٹھی۔ گھٹنوں پہ پتا رکھ کے کھولا تو مسکراہٹ غائب ہوئی۔

پتے پہ ایک قطار سے کوئی انگلی جتنی چیزیں رکھی تھیں۔ پہلے اسے اچنبھا ہوا۔ گردن جھکائی۔ پھر ان چیزوں کے پر' ٹانگیں باز و نظر آئے تو وہ بلبلا کے کھڑی ہوئی۔

''یہ تو Grass hoppers ہیں۔'' بے یقینی سے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔ ''تم... تم گراس ہوپرز لائے ہو؟''

''ریلیکس بے تالیہ! ان کے سر کاٹ دیے تھے میں نے۔ اب آپ کھا سکتی ہیں۔ میں نے بھی دو کھائے ہیں۔ ادھر یہی ملے گا۔''

وہ گردن پہ ہاتھ رکھتی دور ہٹی۔ اسے متلی ہونے لگی تھی۔ ''دور ہو جاؤ تم مجھ سے ایڈم!''

''گراس ہوپر میں انرجی ہوتی ہے۔ میں نے اتنی مشکل سے پکڑے ہیں۔ انرجی نہیں ہو گی تو آپ زیادہ دیر چل نہیں سکیں گی۔''

''چپ کر جاؤ' ایڈم!''

''وہ درست کہہ رہا ہے۔ جنگل سے لڑتے نہیں ہیں' تالیہ۔ آنکھیں بند کر کے کھا لو۔''

''گراس ہوپرز؟'' اس نے صدمے سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ ''پورے جنگل میں اس کو صرف گراس ہوپرز ملے؟ کوئی پھل' کوئی سبزی.... کچھ نہیں ملا؟''

''بے تالیہ.... میں کتنا چل سکتا تھا؟ مجھے سامنے یہی نظر آیا۔ اور یہ جنگل نہیں ہے۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔''

''میں.... میں جھرنے کی طرف جا رہی ہوں۔'' اس کا اندر کھول رہا تھا۔ وہ تیزی سے مڑی۔ جہاں سے جھرنے کی آواز آ رہی تھی' اس طرف بڑھی۔

''سوری مگر آپ جھرنے کا پانی نہیں پی سکتیں۔ نہ بارش کا پانی پی سکتی ہیں۔'' وہ اب اپنے پتے اور پھول جوڑ رہا تھا جیسے اپنی میڈیسن کیبنٹ سے بہت خوش ہو۔

وہ تلملا کے پلٹی اور گھور کے اسے دیکھا۔ ''وہ کیوں؟''

''کیونکہ وہ پانی صاف نہیں ہوتا۔ اس میں جراثیم اور پیراسائیٹ ہوتے ہیں۔ اس کو ابالے بغیر نہیں پیا جا سکتا اور درختوں کی لکڑی اتنی گیلی ہے کہ ہم اسے جلا بھی نہیں سکتے۔'' تالیہ کا دل ڈوبنے لگا۔ امید پھر سے ناامیدی میں بدلنے لگی۔

''تو ہم پانی کیسے پئیں گے؟ ہم کیسے زندہ رہیں گے؟'' خاموش کھڑے درختوں کی ہیبت پھر سے طاری ہونے لگی۔

''یہ ٹہنیاں...'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ جانے بانس کا درخت تھا یا کیا' اس کی سیدھی سیدھی ٹہنیاں تھیں۔ جیسے بھوری لکڑی کی ڈنڈیاں ہوں۔

''ان کو کاٹیں گے تو اندر سے پانی نکلے گا۔ تازہ خالص پانی۔ تم وہ پی سکو گی۔''

تالیہ چپ ہوگئی۔ پھر ایک ناپسندیدہ نظر پتے پہ قطار میں رکھے گراس ہوپرز پہ ڈالی جن کے سر کٹے ہوئے تھے۔ (بدتمیز انسان نے رکھے بھی کیسے سجا کے ہیں۔)

''مگر... یا اللہ.... میں یہ کیسے کھا سکتی ہوں؟''

''اچھا؟ میں تو سمجھا تھا تم ایوریج فیری ٹیل گرل نہیں ہو۔'' وہ سادگی سے بولا۔ سفید شرٹ گدلی ہو رہی تھی مگر چہرہ جھرنے سے ابھی دھو کے آیا تھا اور تازہ دم مسکرا رہا تھا۔ گیلے بال ہاتھ سے پیچھے کو کر دیے تھے۔

تالیہ نے لب بھینچ لیے۔ وہ دونوں اب پہلے سے زیادہ آرام دہ نظر آتے تھے۔ فیز ٹو۔

''میں.... ایوریج فیری ٹیل گرل.... ہوں بھی نہیں۔'' وہ چبا چبا کے بولی اور قریب آئی۔ پتے سے ایک مرا ہوا گراس ہوپر اٹھایا۔ (آخ تھو) مگر ساری کراہیت کو اندر دبائے' اس نے وہ منہ میں ڈال لیا۔ آنکھیں زور سے میچیں اور چبایا۔

کرنچی.... کرسپی اور انتہائی بدذائقہ۔ یا اللہ۔ مگر کراہ تک منہ سے نہیں نکالی۔ آخری لقمہ حلق سے اتارتے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے مگر وہ اسے چباتی گئی۔ وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔

''مجھے نہیں معلوم میرے بابا کو کس سے خطرہ تھا جو انہوں نے مجھے ایک دوسری دنیا میں بھیج دیا' لیکن خدا کی قسم' جس دن مجھے وہ شخص ملا جس نے میرے گاؤں اور میرے بابا کو ان مسائل کا شکار کیا تھا' میں اس کی جان لے لوں گی۔'' بے بسی بھرے غصے سے بول رہی تھی۔ حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔

''گڈ۔ تمہارے پاس پلان ہے فائنلی۔ خیر۔ میرے پاس بھی پلان ہے۔'' فاتح اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی چھوٹی آنکھوں میں ڈھیر ساری امید تھی۔

''ہمیں STOP کرنا ہے۔ ایس ٹی او پی۔ ایس سے stop۔ ٹی سے think۔ او سے observe اور پی سے plan۔ ہم جب بھی جنگل جاتے تھے.... اس STOP تدبیر کے ذریعے اگلا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔''

وہ کمر پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑا کہہ رہا تھا اور وہ دونوں اس کو سن رہے تھے۔

''ہم اسٹاپ اور تھنک کے مرحلے سے نکل آئے ہیں۔ اب مشاہدہ کرنا اور پلان کرنا ہے۔ اس لیے سنو۔''

☆......☆......☆

(ہم اس وقت جنگل میں ہیں' اور جنگل سے نکلنے کا واحد راستہ اس کے سب سے اونچے مقام تک پہنچنا ہوتا ہے۔)

وہ تینوں درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ لمبی قمیض اور الجھے بالوں والی تالیہ بیگ اٹھائے سب سے پیچھے تھی اور وان فاتح سب سے آگے۔

(ہمیں اونچائی کی طرف سفر کرنا ہے' جہاں سے ہم دیکھ سکیں کہ جنگل سے نکلنے کا راستہ کیا ہے اور وہاں سے کسی کو مدد کے لئے پکار سکیں۔ یقیناً آس پاس آبادی ہوگی۔)

ایڈم چلتے ہوئے پتے موڑ رہا تھا۔ فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے متلاشی نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا اور وہ سب سے پیچھے نڈھال سی چلتی جا رہی تھی۔

(ہم ایک دن میں جنگل میں ڈیڑھ میل سے زیادہ نہیں چل سکیں گے۔ زمین سلیپری ہے' پیر پھنس جاتے ہیں۔)

زمین پہ سرخ بھوری مٹی گیلی تھی۔ اس میں پتھر' پتے' ٹہنیاں سب بکھرا ہوا تھا۔ وہ بدقت قدم اٹھا پا رہی تھی۔ بار بار کوشش کرنی پڑتی۔ اونچائی کو جاتے درخت خاموشی سے وقت کے ان تین مسافروں کو نم زمین پہ اوپر چڑھتے دیکھ رہے تھے۔

(چونکہ جنگل زندہ ہے' ہمیں ڈنڈوں اور جوتوں کی آوازوں کے ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کو اپنی آمد کی خبر کرنی ہوگی تاکہ وہ چھپ جائیں۔ وہ صرف ڈر کے حملہ کرتے ہیں۔ جب وہ ہمیں دیکھ لیں گے تو دور ہٹ جائیں گے۔)

ان تینوں نے لاٹھیاں اٹھا رکھی تھیں جو دراصل درختوں کی موٹی ٹہنیاں تھیں اور وہ ان کو زمین پہ رکھتے ہوئے قدم اٹھا رہے تھے۔ پتوں اور پتھروں پہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ جنگل کا معاملہ عجیب تھا۔ درخت کے تنے پہ اگر آواز پیدا کرو' یا ذرا سا جھٹکا دو' تو اوپر شاخوں تک جا کر وہ آواز کئی گنا بڑھ جاتی تھی۔ نیچے تھوڑی سی حرکت اوپر جاتے جاتے اتنے شور بن جاتی۔

(ہمیں بہت سارا پانی پینا ہوگا۔ ٹہنیوں کو توڑ کے ہم رات بھر کے لئے ان کو بوتل پہ اور پتوں کے برتنوں میں الٹا کھڑا کر دیں گے۔ صبح تک کافی پانی جمع ہو جائے گا۔)

وہ ایک درخت کے پاس رکے کھڑے تھے۔ ایڈم ٹہنیاں کاٹ کاٹ کے ان کو دے رہا تھا۔ تالیہ نے چہرہ آسمان کی طرف اٹھا کے ٹہنی منہ پہ لٹکائی تو قطرہ بہ قطرہ پانی اندر گرنے لگا۔ تھوڑا اور آہستہ۔ مگر تازہ صاف پانی تھا۔

(یہ تالیہ کے کوٹ سے میں نے مچھلی پکڑنے کے لئے جال بنایا ہے' اگر ہم اس سے مچھلیاں پکڑ سکیں تو ہمیں گراس ہوپرز کی ضرورت نہیں پڑے گی)

وہ ایک جھرنے کے کنارے بیٹھے تھے۔ ایڈم چند کیڑے خنجر پہ اٹھائے' پانی پہ چھڑک رہا تھا۔ فاتح نے ایک ٹہنی کا loop سا بنایا' انگریزی حرف P کی طرح' اوپر کپڑا چڑھا کے بازو اور اس 'جال' کو پانی میں ڈال دیا۔ اس کے نم بال ماتھے پہ بکھرے تھے' جن کو وہ بار بار

ہاتھ سے پیچھے کرتا تھا۔ وہ پتھر پہ بیٹھی اس کو دیکھے گئی۔ وہ اس لئے دیے اور سپاٹ سیاستدان سے مختلف نظر آ رہا تھا جس سے وہ چند دن پہلے ملی تھی۔ مگر تب اور اب میں فرق تھا۔ اس نے ایک نظر اپنے حلیے کو دیکھا۔ گرد آلود قمیض' چہرہ بھی میلا۔ سنہری چوٹی سے نکلتے بال۔ وہ سوشلائیٹ' وہ طرحدار امیر زادی.... وہ غائب ہو گئی تھی۔

(مگر ہو سکتا ہے کہ ہمیں مچھلی نہ ملے اور ہمیں انہی کیڑوں پہ گزارا کرنا پڑے۔)

فاتح نے ٹہنیوں اور کپڑے کا جال پانی سے باہر نکالا تو وہ خالی تھا۔ اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکا دیے۔ اس جھرنے کی مچھلیاں بہت تیز اور ہشیار تھیں۔ ہاتھ نہیں آ رہی تھیں۔

(ہم زیادہ دیر جھرنے کے پاس رک نہیں سکیں گے۔ اگر مچھلیاں ہاتھ نہ آئیں تو ہمیں آگے بڑھتے رہنا ہوگا۔ ہر چند قدم پہ درختوں کی اقسام بدل جاتی ہے۔)

وہ اب گھنے اور موٹے تنے والے درختوں کے درمیان چل رہے تھے۔ ایڈم ایک درخت کے پاس رکا اور قدرے جوش سے کچھ بتانے لگا۔ وہ برے منہ کے ساتھ اسے دیکھے گئی۔ وان فاتح سنتے ہوئے بار بار چہرے پہ آیا پسینہ پونچھتا تھا۔

(ہو سکتا ہے ہمیں یہاں کوئی اور درخت مل جائیں جیسے ivory palm۔ اس کا پھل تمہارے کھانے کے قابل ہوگا' تالیہ۔)

ایڈم ایک پپیتے کی شکل کے پھل کو کاٹ کے اندر کا گودا اس کی طرف بڑھا رہا تھا اس نے برے دل کے ساتھ تھاما اور منہ میں رکھا۔ یہ بھی بدذائقہ تھا۔ یا اس کے منہ کا ذائقہ ہی کڑوا ہو چکا تھا۔ اُف وہ مر جانا چاہتی تھی۔

(رات کو سونے کے لئے ہم ان سانپ بچھوؤں کے ساتھ جنگل کے فرش کو شیئر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں hammock بنانے ہوں گے۔)

شام اتر آئی تھی' مگر روشنی کافی تھی۔ وہ ایک جگہ رکے ہوئے تھے اور لکڑیاں جوڑ رہے تھے۔ تالیہ ٹہنیاں کاٹ رہی تھی۔ فاتح لکڑی کے دو پول زمین میں گاڑھے ان کے درمیان ٹہنیوں کا جھولا بنا رہا تھا۔ بار بار وہ رک کے رسی نما ٹہنی کھینچتا اور اس کی مضبوطی چیک کرتا۔ یہ جھولا زمین سے چار پانچ فٹ اونچا تھا۔

(مچھر بہت زیادہ ہیں یہاں اور ایڈم کا کہنا ہے کہ ہمیں چیونٹیوں کی بنائی سرخ مٹی جو وہ پتوں کو توڑ توڑ کے بناتی ہیں' خود پہ لگانی ہوگی تاکہ مچھر اور کیڑے دور رہیں۔ یہ مٹی ابھی تک نظر نہیں آئی۔ چند میل کے سفر میں مل ہی جائے گی۔)

رات جنگل پہ چھائی تھی۔ وہ لکڑی کے دو پولز کے درمیان بنے ٹہنیوں کے جھولے پہ لیٹی تھی اور کھلی آنکھیں دور اوپر درختوں کے پتوں سے پار نظر آتے سیاہ آسمان پہ جمی تھیں۔ اس کے چہرے پہ سرخ مٹی لگی تھی۔

(اور جب ہم اس جنگل سے نکل جائیں گے' تو ہمیں ملاکہ جانا ہوگا۔)

صبح کی سفیدی پھیلی تھی اور وہ جھرنے کے پاس بیٹھی ہاتھ منہ دھو رہی تھی۔ ایڈم قریب بیٹھا کسی ٹہنی کو چبا کے سوچنے رک جاتا۔ وہ مختلف پودوں کو ٹیسٹ کر رہا تھا کہ کون سا کھانے کے قابل ہے۔ وان فاتح ایک درخت کے ساتھ کھڑا پانی کے لئے ڈنڈیاں کاٹ رہا تھا۔

(ملاکہ یہاں سے کتنا دور ہے مجھے نہیں معلوم۔ لیکن ہمیں ملاکہ جانا ہوگا اور تالیہ کے والد کو ڈھونڈنا ہوگا۔)

کڑی دوپہر میں وہ خاموشی سے درختوں کے درمیان اوپر چڑھتے جا رہے تھے۔ بیگ اب فاتح نے اٹھا رکھا تھا۔ چہروں اور بازوؤں پہ سرخ مٹی لگی تھی۔ شکلیں میلی اور بدنما ہو رہی تھیں۔

(فی الحال تو آسمان نظر نہیں آ رہا مگر جیسا کہ تالیہ کا کہنا ہے' اس کے باپا نے اسے ستاروں سے گاؤں کا راستہ سمجھایا تھا' ہم جب جنگل سے نکلیں گے تو ستاروں سے راستہ ڈھونڈ لیں گے۔)

ایک اور رات اتر آئی تھی' اور وان فاتح ٹہنیوں کے بستر پہ لیٹا تھا۔ ہاتھ میں اس نے اپنا بٹوہ کھول رکھا تھا جس میں آریانہ کی تصویر لگی تھی۔ اس نے تصویر سے اندر جھانکا۔ پاپ کارن کے دو دانے اندر چھپے ہوئے تھے۔ پھر اس نے تاریخ دیکھی۔ آج کاغذاتِ نامزدگی جمع ہونے شروع ہو گئے ہوں گے۔ وقت کم رہ گیا تھا۔)

(مراد ایک شکار باز ہے۔ اگر وہ پہلے چابی بنا سکتا تھا تو وہ اب بھی چابی بنا لے گا۔ اس چابی کے ذریعے ہم واپس اپنی دنیا میں چلے جائیں گے۔)

جنگل میں روشنی پھیلی تھی اور وہ تینوں فاصلے فاصلے پہ بیٹھے تھے۔ تالیہ نے چہرہ گھٹنوں پہ گرا رکھا تھا اور فاتح ایک ٹہنیوں کے گٹھے کو جوڑ رہا تھا۔ ایڈم دور بیٹھا اپنے موبائل پہ تصویریں آگے آگے کرتا جا رہا تھا۔ باپ' ماں' فاطمہ.... اس کے دوست.... عید کی تصویریں.... عید کے پکوان... محلے کی دوکان۔ بیٹری اینمپٹی۔ ٹون بجی اور موبائل بجھ گیا۔ پرانی زندگی سے تعلق کی جو ڈور بندھی تھی' وہ ٹوٹ گئی۔

(میرا نہیں خیال کہ تالیہ تم نے جو ہما ہم تینوں کے سر پہ دیکھا تھا' وہ حکومت یا بادشاہی کی علامت تھا۔ ہما پرندہ کچھ اور چیزوں کی علامت بھی ہوتا ہے۔)

رات کے اندھیرے میں جنگل کے درخت خاموش کھڑے تھے اور وہ ٹہنیوں کے جھولے پہ سکڑ کے لیٹی آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ سرخ مٹی ہنوز لگی تھی۔ آنکھیں ویران تھیں۔

''ہم سولہ جولائی کی رات دروازہ پار کر کے آئے تھے۔ کل بیس جولائی شروع ہو جائے گی۔''

ان دونوں کے بستر دور بنے تھے۔ مگر وہ اس کی آواز سن سکتے تھے۔ فاتح بستر پہ نہیں تھا۔ پتھروں پہ بیٹھا بٹوہ کھولے دیکھ رہا تھا۔

کسی نے تالیہ کو جواب نہیں دیا۔ ہر روز چل چل کے گرمی اور حبس سے توانائی ختم ہوتی جا رہی تھی۔

''بیس جولائی کو میری سالگرہ ہوتی ہے۔ جو یتیم خانے میں لکھوائی گئی تھی۔''

وہ دونوں خاموش رہے۔ وہ اوپر آسمان کو دیکھتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی۔

''مگر میری طرح میری سالگرہ بھی جعلی ہی ہوگی۔'' ایک آنسو آنکھ سے نکلا' کنپٹی پہ بہتا نیچے ٹپکا' اور جنگل کے فرش پہ جا گرا۔

وہ دونوں خاموش رہے۔ درخت خاموش رہے۔ دور پتھروں اور غاروں میں چھپے سانپ بچھو خاموش رہے۔

(ہما صرف خوش بختی یا حکومت کی علامت نہیں ہوتا۔ یہ اپنی راکھ سے دوبارہ جنم لینے والا پرندہ ہے۔ یہ rebirth کی علامت ہے۔ نئی زندگی کا نشان۔

نئی دنیا' نئے زمانے میں ایک دوسری زندگی کی پیش گوئی)

☆......☆......☆

اونچے درختوں کے پتوں سے چھن کے آتی روشنی نے جنگل منور کر رکھا تھا۔ وہ تینوں قطار میں چلتے ہوئے اوپر چڑھ رہے تھے۔ اب سامنے سیدھی زمین شروع ہوگئی تھی۔ درخت اتنے زیادہ اور قریب قریب اُگے تھے کہ چند میٹر سے آگے کیا ہے' دکھائی نہ دیتا تھا۔

وہ نڈھال سی چل رہی تھی۔ ڈنڈہ زمین پہ مارتی .... بے جان قدم اٹھاتی۔

''ایڈم .... کیا ہم ان پودوں میں سے کچھ کھا سکتے ہیں؟'' فاتح سب سے آگے چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں سر۔ ان پودوں میں سفید اور پیلی berries ہیں' یہ زہریلے ہوں گے۔ اور مشروم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر زہریلے ہوتے ہیں۔''

وہ بڑی سمجھداری سے بتاتے ہوئے قدم اٹھا رہا تھا۔ تالیہ تنک کے اس کی پشت کو دیکھتے چل رہی تھی۔

''اور یہ ان پودوں کے پتے بہت چمکیلے ہیں' سر۔ یہ بھی زہریلے ہیں۔ اور یہ والا میں نے اس لئے نہیں توڑا کیونکہ اس کے پتے تین تین کے گروپ میں ہیں۔ اور جن پودوں کے پتے تین تین کے گروپ میں ہوں' وہ کھانے کے لائق نہیں ہوتے اور یہ والے جو اس طرف ہیں۔'' وہ اشارہ کر کے بتا رہا تھا۔ ''یہ پہلے بھی گزر رہے تھے۔ ان سے بادام کی خوشبو آتی ہے اور یاد رکھیے گا' کبھی بھی بادام کی خوشبو والے پودے سے کچھ نہیں کھاتے کیونکہ....''

''کیونکہ وہ زہریلا ہوتا ہے۔'' وہ تلخی سے پیچھے سے بولی۔ ''ایڈم تمہارے اس جنگل میں کچھ ہے جو زہریلا نہ ہو۔''

''ریلیکس کریں چے تالیہ۔ ہم اس جنگل میں آپ کی وجہ سے....'' (وان فاتح نے گردن موڑی تو گڑبڑا کے بولا) ''نہیں ہیں۔ ہم اپنی وجہ سے ہیں۔'' آواز دھیمی کر لی۔ فاتح نے ایک تنبیہی نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ جاتا مگر تالیہ مراد نے ایک دم اپنا بیگ پھینکا اور ان دونوں کے سامنے آئی۔

''اسے کہنے دیں' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔'' وہ درد سے چلائی تھی۔ منہ پہ مٹی لگی تھی اور سنہری بال گول مول پونی میں باندھ رکھے

تھے۔ٹراؤزر کے پائنچے کیچڑ آلود تھے اور قمیض کے دامن پہ کانٹے لگے تھے۔

''تالیہ....'' اس نے رسان سے پکارنا چاہا مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''آپ دونوں اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔ میں ذمہ دار ہوں' میں قصوروار ہوں۔ ہم چار دن سے اس جنگل میں بھٹک رہے ہیں' ہم گراس ہوپرز' ٹرمائیٹ اور عجیب عجیب سے پودے کھا رہے ہیں' یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔ یہ سب میرے لالچ کا انجام ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم اس میں میری وجہ سے پھنسے ہیں۔''

اس کی آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے۔ ایڈم خفیف سا ہوا۔ ''چ تالیہ' میرا یہ مطلب نہیں تھا....''

''میرے پاس پلان ہوتا تھا تو انکو' میرے پاس ہمیشہ پلان ہوتا تھا۔ مگر اب نہیں ہے۔ کیونکہ میں چار دن سے گلٹی فیل کر رہی ہوں۔'' وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتی گئی۔ گردن جھکا دی اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

''اب میرا ذہن بلینک ہو گیا ہے۔ ساری تدبیریں' سارے راستے کھو گئے ہیں۔ داتن نے مجھے کتنا منع کیا' مگر میں نے اس کی ایک نہیں سنی۔ یہ میری سزا ہے۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی تھی۔ وہ دونوں سامنے کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں کمزور اور تلخ نہیں تھی۔ میں بہت بہادر اور مضبوط تھی۔ میں ہر مسئلے کا حل نکال لیتی تھی مگر اب.... میرا دل اتنا بوجھل' اتنا دکھی ہے کیونکہ میں نے آپ دونوں کی زندگی بھی خراب کر دی ہے۔ اس کو بولنے دیجیے' تو انکو۔ وہ سچ کہہ رہا ہے۔''

فاتح نے لکڑیوں کی گٹھی پرے پھینکی اور اس کے سامنے جھکا' جیسے بڑا کسی بچے کے سامنے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکتا ہے۔

''Make a wish!''

تالیہ نے ہاتھ ہٹا کے بھیگے چہرے سے اسے دیکھا۔ ''جی؟''

''آج تمہاری سالگرہ ہے۔ کوئی خواہش کرو۔''

وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ آنسو سرخ مٹی والے چہرے پہ نہروں کی صورت بہہ رہے تھے۔

''تم بتاؤ تالیہ.... تمہیں اس وقت سب سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہے؟''

''میں واپس کے ایل جانا چاہتی ہوں' اور ایک اچھی زندگی....''

''اونہوں.... وہ تمہاری ضرورت ہے۔ میں خواہش پوچھ رہا ہوں۔''

''خواہش!'' اس نے آنکھیں بند کیں تو آنسو ابل کے گردن تک لڑھکتے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔

''میں ملاکہ کے ہوٹل فریج سے چاکلیٹ رکھتے رکھتے رہ گئی تھی۔ میں نے آپ کے گھر کے سامنے والے کیفے میں بھی ہاٹ چاکلیٹ آرڈر کر کے اَن چھوا چھوڑ دیا تھا۔ مجھے چاکلیٹ کھانی ہے' تو انکو۔'' وہ پھر سے رونے لگی تھی۔ اسے اپنی بے بسی پہ غصہ آ رہا تھا۔ رحم

بھی آ رہا تھا۔ وہ اتنی کمزور کیسے پڑ سکتی تھی؟

''کتنی کیلوریز ہوں... مجھے پرواہ نہیں۔ مجھے بس بڑا سا چاکلیٹ کیک کھانا ہے۔ اتنی... اتنی ساری چاکلیٹ!'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے بتایا۔ وہ چند لمحے جھکے کھڑا اسے دیکھتا رہا' پھر سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ قریب میں ایک موٹے تنے کا درخت لگا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے ایک پھل توڑا جو سخت خول میں تھا۔ دیکھ کے ہی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔ پھر فاتح نے اسے چاقو سے کاٹا اور اندر سے سفید گودا کا خنجر پہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اس گودے میں سخت سخت سے بیج نظر آ رہے تھے۔

''تم تصور کرو' یہ چاکلیٹ ہے۔ تصور کرنے سے یہ واقعی تمہیں چاکلیٹ لگے گی۔ اور تم اسے شکر کر کے کھا لو۔'' وہ دوستانہ انداز میں سفید شے بڑھائے ہوئے تھا جو دیکھنے سے ہی بدمزہ لگتی تھی۔ تالیہ نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''یاد ہے تم نے کہا تھا... کہ اگر کبھی مجھ پہ ایسا وقت آیا کہ میرے ساتھ ملے قوم میں سے سوائے ایک کے کوئی نہ کھڑا ہو تو تم اپنی پوری سچائی سے کہتی ہو کہ تم وہ ایک شخص ضرور ہو گی۔ اس لیے کیونکہ تم مجھے اپنا لیڈر مانتی رہی ہو۔ اب میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ تم اس کو شکر ادا کر کے کھا لو۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا' آنسو پونچھے اور کھڑے ہوتے ہوئے خنجر لے لیا۔ پھر اس گودے کو (اُف) تھوڑا سا منہ میں ڈالا اور بند ہونٹوں سے ذرا سا چبایا۔

ایک دم اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

''یہ تو... یہ تو چاکلیٹ ہے۔'' اس نے بے یقینی سے اس گودے کو دیکھا۔ خوشبو' ذائقہ... سب چاکلیٹ والا تھا۔ ایسا لذیذ نرم مادہ جو منہ میں جاتے ہی گھل گیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے تالیہ۔ اور سالگرہ اسی دن ہوتی ہے جس دن ہم اسے مناتے ہیں۔'' وہ مسکرا کے کہتا آگے بڑھ گیا۔

''مگر یہ کیا تھا؟ تو انکو؟ وان فاتح؟'' وہ حیران سی پکار رہی تھی مگر وہ آگے جا رہا تھا۔

''آپ ذرا سا صبر کر لیتیں تو میں بتانے والا تھا چے تالیہ کہ میں ان زہریلے پودوں کو اس لئے نہیں ہاتھ لگا رہا کیونکہ سامنے cocoa کا درخت ہے۔ اس کا بیج چاکلیٹ بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ کڑوا ہوتا ہے مگر یہ گودا میٹھا ہوتا ہے۔ پھولوں جیسا میٹھا۔ سر کو آپ سے زیادہ درختوں کی پہچان ہے۔''

ایڈم اس کا بیگ اٹھاتے ہوئے گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

وہ چند لمحے بے یقین رہی' پھر اس کی آنکھوں میں خوشی اور کوئی انہونی کیفیت ابھری۔ وہ دوڑ کے اس درخت کے پاس گئی۔ وہ اونچا بڑا قدیم درخت اپنی شاخوں پہ ایسے ڈھیروں پھل لادے ہوئے تھا۔ جانے اس میں اتنی توانائی کہاں سے آ گئی۔ وہ تیزی سے آگے

بڑھی اور بلی کی طرح شاخ پہ چڑھ گئی۔

آگے جاتے فاتح کے قریب آتے ایڈم نے سرگوشی میں کہا۔"چاکلیٹ حلق میں جاتی ہے تو دماغ میں وہ ہارمون ریلیز ہوتے ہیں جو ہمیں خوشی دیتے ہیں۔ریلیکس کرتے ہیں۔امید ہے چے تالیہ کا موڈ اب اچھا ہو جائے گا۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"آپ کتابیں نہیں پڑھتے کیا؟"وہ خفگی مگر اعتماد سے کہتا آگے بڑھ گیا جہاں ایک ٹیلے پہ سرخ مٹی نظر آ رہی تھی۔اسے پوٹلی میں مزید وہ 'مچھر مار دوا' بھرنی تھی۔

تالیہ ابھی تک درخت پہ چڑھی اپنی قمیض کے دامن میں وہ بہشتی پھل اکٹھا کر رہی تھی۔مٹی سے اَٹے چہرے پہ مسکراہٹ اور رونق واپس پلٹ رہی تھی۔

☆......☆......☆

دھوپ تیز ہو گئی تھی۔گرمی اور حبس بڑھ گیا تھا۔وہ تینوں قریب قریب چلتے جا رہے تھے۔ایک دم چھایا سی چھا گئی اور ٹپ ٹپ بارش برسنے لگی۔ وہاں ہر روز اتنی دفعہ بارش برستی تھی کہ اب ان کو کسی سایے کی تلاش ہی نہ رہی تھی۔بس ایک درخت تلے آ کھڑے ہوئے۔پھوار یہاں بھی ان کو بھگوئے جا رہی تھی۔

فاتح نے گھڑی دیکھی۔"سورج ڈوبنے میں ابھی پون گھنٹہ ہے۔"پھر آسمان کو دیکھ کے کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟"وہ چونکی۔اس نے اپنے پھٹے ہوئے کوٹ میں بہت سے کوکو کے پھل باندھ کے اٹھائے ہوئے تھے۔

"کیونکہ میں نے اپنی گھڑی صبح صادق پہ اندازے سے سیٹ کر دی تھی۔"جواب میں خاموشی رہی تو اس نے ان دونوں کو دیکھا۔

"کیا تم لوگوں کی گھڑیاں ابھی تک ایل کے وقت کے مطابق ہیں؟"

"ہم نے کون سا یہاں ہمیشہ رہنا ہے' تو انکو۔"وہ خفیف سی ہو کے بولی۔

"اور مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ شاید ہم اس جنگل سے نکلیں تو سامنے ملائیشیا ہی ہو۔شاید ہم اپنے زمانے کے ہی کسی جنگل میں کھوئے ہوئے ہوں۔"وہ اب مایوس نہیں تھا۔بس اس کی امیدیں کسی اور طرح کی تھیں۔

فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔وہاں اونچائی پہ کچھ بلند و بالا درخت اگے تھے۔

"سنولڑکی..."اس نے سوچتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔"تم Cat burglar ہو نا؟"

"بہت شکریہ یہ یاد دلانے کے لیے۔"اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"یاد رکھو....جو تمہیں معلوم ہے' وہ تمہاری جان بچائے گا۔"وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔"وہ درخت دیکھ رہی

ہو؟" اس نے بارش میں بھیگتے اونچے درختوں کی طرف اشارہ کیا۔" میرے خیال میں یہ اس جنگل کا سب سے بلند ترین مقام ہے۔ تمہیں دیواروں پہ چڑھنے کی عادت ہوگی۔ بارش تھمے تو تم اس درخت پہ چڑھ کے وہ اوپر اس کی چوٹی تک جاؤ گی اور وہاں سے تمہیں دور دور تک کا سارا علاقہ دکھائی دے گا۔"

"او کے مگر مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"تمہیں دیکھنا ہوگا کہ جنگل سے نکلنے کا قریبی راستہ کون سا ہے۔ میدانی علاقہ کس طرف ہے۔ کوئی انسان آس پاس ہے یا نہیں۔ پھر ہم اسی سمت میں سفر کریں گے۔"

"اور اگر ہر طرف درخت ہی درخت ہوئے' تو؟"

"تو آپ یہ دیکھئے گا چے تالیہ کہ آس پاس کوئی جنگل ہے یا نہیں۔ ہم جنگل کی طرف چلے جائیں گے۔"

"عقلمند' ہم پہلے ہی جنگل میں کھڑے ہیں۔"

"یہ جنگل نہیں ہے گو کہ ہم اس کو جنگل کہہ رہے ہیں۔ یہ رین فاریسٹ ہے۔ بعض دفعہ بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان چند میل کا علاقہ رین فاریسٹ بنا ہوا ہوتا ہے۔" ایڈم رسان سے سمجھا رہا تھا۔" اگر ہم کسی جنگل میں نکل جائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ وہاں پہ جانور اور پرندے ہوں گے جن کا ہم شکار کر سکتے ہیں۔ اور پھل بھی ہوں گے۔ آسمان بھی نظر آئے گا۔"

"اچھا بس کرو۔ ایسے بولتے جا رہے ہو جیسے مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔" اس نے ہونہہ کر کے ناک سکوڑی۔" تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے میں نے کتنے کام کیے ہیں زندگی میں۔ اور ہاں.... مجھے شکار کرنا بھی آتا ہے۔"

"آپ کے والد شکاری جو تھے۔"

"اور لکڑ ہارے بھی۔ میں پچھلی زندگی میں بھی غریب تھی اور نئی زندگی میں بھی ایک عرصہ غریب رہی۔ ہاؤ فنی۔"

وہ تینوں درختوں کے ساتھ کھڑے تھے اور بارش آس پاس برسے جا رہی تھی۔ تالیہ مکمل طور پہ بھیگ چکی تھی مگر اب بارش سے فرق پڑنا ختم ہو گیا تھا۔ وہ تھمی تو وہ دونوں آگے بڑھ گئے' مگر وہ وہیں رکی رہی۔ بالکل ساکت۔ جامد۔

"تالیہ۔" فاتح نے پلٹ کے پکارا تو وہ چونکی۔

"کیا ہوا؟" اس نے غور سے اس لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ یوں لگتا تھا وہ ابھی نیند سے جاگی ہے۔

"میں نے دیکھا' وہ میرے گاؤں کے لوگوں کو پکڑ رہے تھے۔" وہ کسی اور کیفیت میں تھی۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"کیا دیکھا تم نے؟ مجھے بتاؤ۔"

"وہ سپاہی میرے گاؤں سے پمبورو کو چن چن کے گرفتار کر رہے تھے۔ وہ ان کو قید میں ڈال کے مار دیں گے۔ اب وہ میرے

گھر آ رہے تھے۔ وہ میرے بابا کو بھی پکڑ کے لے گئے۔ اسی لیے میں نے چابی اٹھائی۔" وہ چونک گئی۔ "میرے بابا نے مجھے نہیں بھیجا۔ وہ تو قید میں ڈال دیے گئے ہیں۔ میں خود گئی تھی دروازے کے پار۔ تاکہ مدد لے کر آؤں اور اپنے گاؤں والوں کو قید میں مرنے سے بچاؤں۔"

اس نے نڈھال سے انداز میں اپنا سر تنے کی پشت سے ٹکا دیا۔

"کس کی قید سے؟ کیا تم نے کچھ سنا کہ تمہارے بابا کو کس نے قید کیا ہے؟"

تالیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ حیران سی لگ رہی تھی۔ "وہ بنداہارا اور شہزادی کے سپاہی تھے۔ شہزادی تاشہ کے۔"

لمحے بھر کو جنگل میں سکوت چھا گیا۔ چڑیوں کی آوازیں بھی پسِ منظر میں چلی گئیں۔

"شہزادی تاشہ کے سپاہی؟" وان فاتح رامزل بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ تالیہ نے سر ہلایا۔

"وہ سب کہہ رہے تھے کہ شہزادی ظالم ہے۔ اس نے سارے گاؤں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ سوری تو انکو شہزادی تاشہ اتنی حسین تو ہے جتنی وہ تاریخ کی کتابوں میں بتائی جاتی ہے کہ اس دن میں نے خواب میں اس کو مجسمہ بناتے دیکھا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت حسین لگتی تھی۔ لیکن وہ نہ اتنی رحم دل ہے نہ ہی اتنی اچھی جتنا آپ اس کو سمجھتے تھے۔" اس کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ "شہزادی تاشہ ذمہ دار ہے میرے گاؤں اور میری تباہی کی۔ خدا کی قسم میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے مجھ سے میری سارے خواب لے لیے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے لوگ اس کے بارے میں یونہی کہہ رہے ہوں' شاید وہ اتنی بری نہ ہو۔" وہ فوراً مدافعانہ انداز میں بولا تھا مگر تالیہ کی آنکھوں میں کچھ سلگنے لگا تھا۔

"شہزادی کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب۔ وہ ذمہ دار ہے اس سب کی۔ اس نے میرے بابا کو قید میں ڈالا ہوا ہے۔ چار دن پہلے میں اس دنیا سے گئی تھی۔ یہاں وقت نہیں گزرا۔ چار دن سے میرے بابا اس کی قید میں ہیں۔ خدا کی قسم میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔"

پھر اس نے کلائی اوپر کی اور آستین تلے چھپی گھڑی باہر نکالی۔ "مجھے بتائیے یہاں کیا وقت ہوا ہے۔ مجھے وقت کے سارے حساب کتاب ابھی سے طے کرنے ہیں۔"

اس کی آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں اور آواز رندھ رہی تھی۔

بارش ایک دفعہ پھر سے سلطنتِ ملاکہ کے اس جنگل پہ برسنے لگی تھی۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

باب ہفتم:

تاشہ پسونا

اس نے خواب میں دیکھا....

وہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے....نیم تاریک....

آتش دان میں لکڑیاں جل رہی ہیں....

الماری کے سامنے مراد کھڑا ہے.... ہاتھ میں ایک بوتل ہے....

اندر پانی کی طرح کا بے رنگ مشروب ہے....

بوتل کے پیندے میں ایک سکہ اور ڈلی بیٹھی ہے....

وہ الماری کا پٹ کھول کے بوتل اندر رکھتا ہے....

پھر مڑتا ہے....تو ٹھٹھک جاتا ہے....

وہ لڑکی چوکھٹ پہ کھڑی ہے....انگلیاں مروڑتی....خوف کے باوجود خود کو سنجیدہ رکھے....مراد تیزی سے اس کے قریب آتا ہے ....پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ کے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے....

''تالیہ....میں جانتا ہوں تم خوفزدہ ہو اور....''

''نہیں تو۔'' وہ پریقین انداز میں سر کو نفی میں ہلاتی ہے مگر فضا میں خوف اور پریشانی کی خوشبو رچی بسی ہے۔

''اور تم پریشان بھی ہو۔'' وہ اس کو سنے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہے جا رہا ہے۔''مگر برے دن جلد ختم ہو جائیں گے۔ اچھے دن قریب ہیں۔''

''یہ شور کیسا ہے بابا؟ 'الورسونگائی' میں سرِ شام ہی کیسے لوگ گھس آئے ہیں؟''

مراد گہری سانس لیتا ہے۔''یہ بندہارا اور شہزادی کے سپاہی ہیں۔ یہ پورے گاؤں سے شکار بازوں کو گرفتار کر کے محل کے قید خانوں میں ڈال رہے ہیں۔''

اسے اپنے اندر غصہ ابلتا محسوس ہوتا ہے۔''شہزادی اتنی ظالم کیوں ہے' بابا؟ وہ کب تک الورسونگائی کے لوگوں پہ ظلم کرتی رہے گی؟''

پھر یکدم وہ اپنے اندر خوف محسوس کرتی ہے اور یہ خوف اس کو چونکا دیتا ہے۔ وہ مراد کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھامتی ہے۔

''بابا... کیا وہ آپ کو بھی گرفتار کرلیں گے؟'' پھر ہراساں سی وہ نفی میں سر ہلاتی ہے۔ ''میں آپ کو گرفتار ہونے نہیں دوں گی۔''

باہر گھر کا بیرونی دروازہ دھڑ دھڑاتا ہے۔ مراد اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کھڑا ہوتا ہے۔

''تالیہ... وہ آگئے ہیں۔ میری بات غور سے سنو بیٹی۔''

وہ دھیرے دھیرے سمجھا رہا ہے مگر دروازے پہ شور بڑھتا جارہا ہے۔ سپاہی آواز لگا رہے ہیں کہ وہ محل سے آئے ہیں... مراد حاضر ہو... وہ مسلسل خوف اور پریشانی سے نفی میں سر ہلائے جا رہی ہے...

''تالیہ... قوم کا راہبر قوم کا باپ ہوتا ہے... اس کو قربانی دینی پڑتی ہے... یہ میری قربانی کا وقت ہے... وہ مجھے لینے آئے ہیں... مگر تم سے میں اتنا چاہتا ہوں تالیہ... کہ تم میرا ایک حکم مان لو...'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں مگر وہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''جی بابا... میں کیا کروں... مجھے بتاؤ بابا۔''

''یہ قربانی تمہیں الورسونگائی کے لوگوں کے لئے دینی ہوگی... تالیہ... اور اپنے بابا کی اٹھی گردن اور وقار کے لئے... دوگی نا؟!''

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے ہیں... خوف اور بے یقینی کی فضا... ہراسیت... اور دروازے پہ ہوتی زوردار دستک...

اور یہیں خواب ٹوٹ گیا تھا......

☆......☆......☆

وہ سال تھا 1459 عیسوی۔

اور سلطنت تھی سرزمینِ ملاکہ کی جو کئی ریاستوں اور ملکوں سے وسیع وعریض تھی۔

اس میں کہیں وہ گھنا رین فاریسٹ واقع تھا جس کے اندر برستی بارش اب تھم چکی تھی اور کیچڑ زدہ زمین پہ وہ تینوں چل رہے تھے۔

تالیہ کی پیشانی خفگی سے سکڑی ہوئی تھی۔ تیز چلتے چلتے وہ فاتح کے برابر پہنچ گئی اور پھر دو قدم آگے نکل گئی۔ وان فاتح نے ایک گہری نظر اس کی پشت پہ ڈالی۔

''ضروری نہیں ہے شہزادی ویسی ہی ہو جیسی تمہارے خواب میں تمہیں بتائی گئی ہے۔ تم نے اپنی آنکھوں سے اسے ظلم کرتے نہیں دیکھا۔ صرف اس کے ظلم کے قصے سنے ہیں۔''

تالیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

''اس کے آدمیوں نے گاؤں میں فساد برپا کیا ہوا تھا۔ وہ میرے بابا کو پکڑ کے لے جانے والے تھے۔ اور اس وقت بابا نے مجھے

ایک حکم دیا تھا....یقیناً چابی کے ذریعے دروازہ پار کرنے کا۔" اس کی آواز اونچے درختوں سے ٹکرا کے پلٹنے لگی۔ "شہزادی تاشہ کی وجہ سے میرا خاندان ٹوٹا اور گاؤں تباہ ہوا۔ اور یہ سب چار دن پہلے ہوا ہے۔ وقت یہاں رک گیا تھا۔ چار دن پہلے جب ہم دروازہ پار کر کے ادھر آئے تو اسی دن میرے بابا کو قید میں ڈالا گیا ہوگا۔ چار دن سے ہم اگر ان درختوں میں بھٹک رہے ہیں تو میرے بابا قید خانے میں اذیت کاٹ رہے ہوں گے۔ کیا یہ شہزادی تاشہ کے ظالم ہونے کے لئے کافی نہیں ہے؟"

"سر ٹھیک کہہ رہے ہیں چے تالیہ۔" ایڈم چھڑی سے زمین کو ٹٹولتا قریب آیا۔ "کیا معلوم وہ سیاہی شہزادی کے نہ ہوں۔ تاریخ کی کتابوں کے مطابق بندہارا انتہائی مکار اور سازشی آدمی تھا۔ مگر اس کی بیٹی....تاشہ....وہ بہت اچھی شہزادی تھی۔"

تالیہ لب بھینچ کے ایڈم کو دیکھنے لگی جو اس کے کھا جانے والے تاثرات سے بے نیاز بولے جا رہا تھا۔ البتہ فاتح بس غور سے اس کی پیشانی کی سلوٹیں دیکھ رہا تھا۔ چار دن سے بددل نظر آتی تالیہ کے اندر اب چنگاریاں سی بھر چکی تھیں۔

"ٹھیک ہے.... پرتگالیوں نے تاریخ کی کتابیں جلا دیں اس لئے ہمیں سلطان مرسل شاہ یا شہزادی تاشہ کا ذکر بہت کم ملتا ہے مگر جتنا ذکر موجود ہے' اس کے مطابق وہ ملاکہ کی سب سے خوبصورت شہزادی تھی۔ اتنی سحر انگیز کہ اس کے سامنے چاند سورج شرما جائیں۔" وہ قدیم کتابوں کے الفاظ یاد کر کے دہراتے ہوئے ارد گرد درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ "وہ جب محل کی بارہ دریوں میں چلتی تھی تو ادب سے لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ جب وہ دربار میں آتی تو وزراء' درباری اور غیر ملکی سفیر بے اختیار کھڑے ہو جاتے تھے۔ وہ بولتی تھی تو سلطان دم سادھے اس کو سنا کرتا تھا۔ وہ بہت سی زبانیں بول سکتی تھی۔ تیر اندازی' تلوار زنی' گھڑ سواری' نیزہ بازی....وہ سب جانتی تھی۔ وہ لکھ پڑھ بھی سکتی تھی۔ رقص اور دوسرے فنونِ لطیفہ سے بھی واقف تھی۔ چین اور ملاکہ کا کوئی ایسا کھانا نہ تھا جو شہزادی تاشہ پکا نہ سکے۔ کوئی ایسا ٹانکا نہ تھا جس کو وہ کاڑھ نہ سکے۔ وہ حرم کی نگران تھی۔ بندہارا کی سب سے قابل اعتماد مشیر۔ وہ سیاست کے داؤ پیچ سے بھی واقف تھی۔ غرض کیا تھا جو راجہ کی بیٹی کو کرنا نہیں آتا تھا؟ اسی لئے اس کو تاشہ پسونا کہا جاتا تھا۔"

"تاشہ پسونا؟" تالیہ نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ابرو اٹھایا۔ اس ان دیکھی عورت کی اتنی تعریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"پسونا یعنی enchantress۔ ساحرہ....جادوگرنی۔"

"اور یہ ساری باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں' ایڈم!" وہ پھنکاری۔

"کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں چے تالیہ۔ کیوں؟ آپ نہیں پڑھتیں؟" کچھ زیادہ ہی سادگی سے پوچھا۔ تالیہ کی رنگت اب ضبط سے سیاہ پڑنے لگی تھی۔ دانت کچکچا رکھے تھے۔

"تمہاری تاریخ کی کتابیں جھوٹی ہو سکتی ہیں مگر میرے خواب نہیں۔ وہ ایک ظالم شہزادی ہے اور بس!"

"اتنی ساری کتابیں ایک ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتیں۔" بالآخر فاتح سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا تو وہ تڑپ کے اس کی

طرف گھومی۔ ایڈم کہہ رہا تھا تو صرف برا لگا تھا' مگر اس کا انداز تو مانو تالیہ بنت مراد کے اندر آگ لگا گیا۔

''میرے خواب جھوٹ نہیں بولتے' تو انکو۔ میری زندگی کی تباہی کی ذمہ دار آپ کی تاشہ پسونا ہی ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا۔'' وہ بے نیازی سے نفی میں سر ہلاتا آگے جا رہا تھا جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی۔ تالیہ اور اس کے خواب غلط ہو سکتے تھے' مگر اس کے ذہن میں بنا تاشہ پسونا کا امیج نہیں۔

''وان فاتح کو شہزادی تاشہ کی طرفداری کا شوق کیوں ہے' ہاں؟'' اسے دور جاتے دیکھ کے وہ بے بسی سے بولی۔

''کیونکہ وان فاتح اس کے فین ہیں۔ وہی فین جو آپ فاتح صاحب کی ہیں۔ فین۔'' زور دے کر بولا۔

''ہونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''فاتح صاحب کو احتیاط سے کسی عورت کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ آخر وہ شادی شدہ ہیں۔''

'کیوں؟ آپ کو جلن ہو رہی ہے کیا؟'' وہ بیگ کندھے پہ ڈالتا ابرو اچکا کے بولا اور پھر بے نیازی سے آگے بڑھ گیا۔ تالیہ کی برداشت ختم ہو چکی تھی۔ لپک کے ایک پتھر اٹھایا اور ایڈم کی کتابوں سے بھری کھوپڑی کا نشانہ باندھا۔ مگر پھر ضبط کر گئی۔

(میں اور جیلس؟ ہونہہ۔ لیکن اس کو تو میں چھوڑوں گی نہیں۔) پتھر پرے پھینک دیا اور ڈنڈے کو زمین پہ رکھتی قدم اٹھانے لگی۔ ماتھے پہ سلوٹیں پڑی تھیں اور اندر غصہ ہی غصہ ابل رہا تھا۔

شہزادی تاشہ کے گناہوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔

جنگل مزید گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل گدلی' گیلی زمین پہ اوپر چڑھ رہے تھے۔ بار بار پیر پھسلتا اور خود کو سنبھالنا پڑتا۔ ایڈم وقفے وقفے سے گردن کے پیچھے ہاتھ رکھتا' پھر سر جھٹکتا۔ شاید اسے کہیں تکلیف تھی۔ (ہونہہ۔ اور پڑھے کتابیں۔)

''کیٹ برگلر!'' ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے فاتح اسے پکارتے ہوئے رکا۔ وہ سفید گدلی شرٹ کے آستین چڑھائے دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ جمے تھے اور مٹی والا چہرہ اوپر اٹھائے اونچائی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ یوں لگتا' وہ برسوں سے اس جنگل میں بھٹک رہا ہو۔

''جی تو انکو!'' وہ ڈنڈا نیچے پھینکتی سامنے آئی۔ گالوں پہ مٹی جمی تھی' الجھی چوٹی کندھے پہ گری تھی' اور آنکھوں میں ناراضی تھی۔

''اس درخت پہ چڑھو۔ اوپر آخری شاخ تک اور وہاں سے دیکھ کے بتاؤ کہ.... اس جنگل کے پار کیا ہے۔'' وہ اوپر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے حکم دے رہا تھا۔

تالیہ نے ہتھیلی سے گال پہ لگی مٹی صاف کی' آستین مزید پیچھے کو چڑھائیں اور تیز قدموں سے درخت کی جانب بڑھی۔ وہ چار دن کی تھکی اور پست حوصلہ تالیہ نہیں تھی۔ شہزادی تاشہ پہ آتا غصہ توانائی دے رہا تھا۔

درخت کانٹوں سے بھرا تھا۔ سب کچھ اتنا نوکیلا تھا کہ احتیاط سے چڑھنا پڑتا مگر اس کے لئے یہ آسان تھا۔ ہاتھوں پہ اس نے

پھٹے کوٹ کا کپڑا لپیٹ لیا اور اوپر چڑھتی گئی۔ بالکل کسی بلی کی طرح۔

وان فاتح اور ایڈم گردنیں اٹھائے، ہاتھوں سے آنکھوں پہ سایہ کیے اس کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونچے درخت پہ غائب ہوگئی۔ پھر چند منٹ بعد وہ نیچے اترتی دکھائی دی۔

"تو....کیا دیکھا تم نے؟ کیا ہے جنگل کے چاروں طرف؟"

"اوہ گاڈ تو انکو۔" وہ درخت سے اترتے ہی آنکھوں میں حیرت اور خوشی سموئے بولی۔ "ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ ہم تو 2016ء میں ہی ہیں۔ جنگل کے باہر کوالالمپور ہے۔ دو میل کے فاصلے پہ مجھے سینٹرل پارک نظر آرہا ہے۔"

ایڈم کا منہ بے یقینی سے کھلا۔ خوشی سے لب وا ہوئے۔ پھر ذرا ٹھہرا۔ فاتح کو دیکھا جو بالکل سنجیدہ تھا۔ ایڈم کی مسکراہٹ سمٹی۔ شک سے تالیہ کو دیکھا۔

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں؟"

"ظاہر ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ کیوں؟ تم چہرے نہیں پڑھ سکتے کیا؟" ناک سکوڑ کے جتا کے بولی اور اس کی طرف سے رخ پھیر لیا (ہونہہ)۔ ایڈم پہ گویا اوس پڑ گئی۔

"قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پہ شمال کی طرف یہ رین فاریسٹ ختم ہو جاتا ہے۔" وہ اب سنجیدگی سے فاتح کو بتا رہی تھی۔ "اس کے آگے درختوں کا سلسلہ ہے مگر وہ کسی جنگل کے درخت لگتے ہیں۔ وہاں روشنی ہوگی، غذا ہوگی، جانور ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی آبادی دکھائی نہیں دی۔ بس درخت ہی درخت ہیں۔"

"یعنی ہمیں کل صبح ہوتے ہی شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ ایک دفعہ ہم جنگل پہنچ جائیں، آگے کوئی راستہ مل ہی جائے گا۔" وہ پر امید لگ رہا تھا۔

(رین فاریسٹ اور جنگل میں فرق یہ ہوتا ہے کہ جنگل میں درخت ذرا فاصلے پہ ہوتے ہیں اس لیے آسمان دکھائی دیتا ہے اور سورج کی روشنی زمین تک پہنچ سکتی ہے یوں زمین پہ پودے اور جھاڑیاں خوشی خوشی نشوونما پاتے ہیں۔ مگر رین فاریسٹ کے درخت اتنے گنجلک ہوتے ہیں، اور اوپر جا کے اتنے گھنے ہو جاتے ہیں کہ ان کی کینوپی سی بن جاتی ہے۔ سبز چھت۔ یوں سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکتی اس لیے زمین پہ پودے اور جھاڑیاں بہت کم اگتی ہیں اور درخت بارش کے پانی کے باعث نشوونما پاتے ہیں۔ اکثر بڑے بڑے جنگلوں کے درمیان کچھ حصے پہ ایک گھنا سا رین فاریسٹ اُگ آتا ہے۔ یہ بھی کوئی ایسا ہی رین فاریسٹ تھا جو یقیناً کسی بڑے جنگل کے درمیان میں تھا۔)

☆......☆......☆

مغرب اترنے میں زیادہ وقت نہیں رہ گیا تھا۔ایڈم خفا نظر آ رہا تھا مگر اس سے زیادہ تھکا ہوا۔ وہ وہیں ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور پیشانی چھو کے دیکھنے لگا۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' سامنے کھڑے فاتح نے تشویش سے پوچھا۔

''توانائی ختم ہو رہی ہے میری۔شاید بخار ہو رہا ہے۔'' وہ نڈھال لگ رہا تھا۔

''کیوں؟ تم نے اپنی کتابوں میں بخار کا علاج جڑی بوٹیوں سے کرنا نہیں سیکھا؟'' وہ پلکیں جھپک جھپک کے بولی تو فاتح نے ایک برہم نظر اس پہ ڈالی۔

''اس کی طبیعت خراب ہے' تالیہ۔''

''اوہ۔افسوس ہوا۔مگر فکر نہ کرو۔ہم شہزادی تاشہ کے پاس پہنچ جائیں تو وہ ایڈم کا علاج کر دے گی۔ بہت ہمدرد اور نیک دل شہزادی ہے نا وہ۔''

''جی ہاں۔اور بہت خوبصورت بھی۔'' وہ نقاہت سے چہرہ اٹھا کے بولا۔

''چھ سو سال پرانی شہزادی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ خوبصورت بھی تھی؟''

''پانچ سو ستاون سال' چے تالیہ!'' نقاہت سے آنکھیں بند کرتے' تنے سے ٹیک لگاتے وہ تصحیح کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ ہونہہ کر کے رہ گئی۔

(تاشہ....تاشہ.....اسے اس نام سے چڑ ہونے لگی تھی۔)

اوپر درختوں کے جھروکوں سے دکھائی دیتا آسمان تیزی سے اندھیر ہونے لگا۔یہاں سورج ڈھلنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔آدھے گھنٹے کے اندر اندر گھپ اندھیرا ہو جاتا تھا۔

فاتح اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر آگے درختوں کی طرف بڑھ گیا تو وہ ایک تنے کے ساتھ بیٹھی اور تھیلے سے کوکو پھل نکال لیا۔ یہ کٹا ہوا تھا۔ وہ انگلی سے گودا پوروں پہ نکال نکال کے منہ میں ڈالنے لگی۔ جیسے جار میں سے مایونیز کھا رہی ہو۔ایک سرسری نظر ایڈم پہ ڈالی جو نقاہت سے آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔

''تم تو نہیں کھاؤ گے نا؟''

ایڈم نے آنکھیں کھول کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''بہت شکریہ چے تالیہ۔میں نہیں کھاؤں گا۔''

وہ مسکرائی' شانے اچکائے اور انگلی لبوں میں ڈالے سفید گودا کھائے گئی۔ایڈم نے بے بسی بھری ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''آپ شاید ٹارگٹ اور بینڈ زندگی گزارنے کی عادی ہیں۔اگلے مارک کے بارے میں سوچتے رہنے کی۔تب ہی جیسے ہی آپ

کو معلوم ہوا کہ شہزادی تاشہ آپ کی دشمن ہے.... آپ کے اندر توانائی سی بھر گئی ہے....''

وہ جو انگلی سے گودا چوس رہی تھی۔ رکی' اور آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''اگر کوئی تمہارے بابا کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دے صرف اس لئے کہ وہ اپنے گاؤں کے غریبوں کے لئے لڑ رہے تھے' تو کیا تم بدلہ نہیں لینا چاہو گے؟''

''اور آپ بدلہ کیسے لیں گی شہزادی تاشہ سے؟''

''پہلے اپنے بابا کو اس کی قید سے چپکے سے نکال لاؤں گی اور پھر....'' وہ کچھ سوچ کے مسکرائی۔ نچلا لب دانتوں سے دبا لیا۔

''شہزادیوں کے پاس بہت زیور ہوتا ہے۔ سونے' چاندی' ہیرے' زمرد' یاقوت۔'' اس کے جیسے منہ میں پانی آ رہا تھا۔ ''شہزادی تاشہ سے اس سے اچھا بدلہ کیا ہو گا کہ اس کا سارا زیور اس سے چھین کے اس کو قلاش کر دیا جائے؟''

''یا اللہ' چے تالیہ۔'' ایڈم نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ ''آپ نے کہا تھا آپ چوری چھوڑ دیں گی۔ مگر آپ ابھی بھی شہزادی کے ہیرے جواہرات کا لالچ رکھے ہوئے ہیں۔''

''لالچ میرے ڈی این اے میں شامل ہے۔'' اور گودے سے بھری انگلی لبوں میں رکھ لی۔ ایڈم صدمے سے اسے دیکھے گیا۔

''کیا واقعی آپ تاشہ کے محل میں چوری کا منصوبہ بنائے ہوئے ہیں؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں۔ تالیہ کی مرضی!'' اس نے شانے اچکائے' آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ (خواب میں دیکھا شہزادی کا زیوروں سے بھرا ہاتھ یاد آیا۔ اگر وہ یہ زیور چرا کے واپس اپنے زمانے میں لے جائے تو اس کی قیمت....اُف!) اسے مزا آنے لگا۔

وہ فیز فور میں پہنچ چکی تھی۔

''وان فاتح کہاں رہ گئے۔'' یکدم ایڈم نے پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ تمہارے لئے آگ کا بندوبست کرنے گئے ہیں۔''

''مگر میں کتنی دفعہ بتا چکا ہوں کہ سارے فاریسٹ کی لکڑی گیلی ہے۔ نم لکڑی سے آگ نہیں جلے گی۔''

''ان کو کیا معلوم؟ وہ کتابیں تھوڑی پڑھتے ہیں۔''

ایڈم نے اس دفعہ جواب تک نہیں دیا۔ بس آنکھیں موند لیں۔

فاتح واپس آیا تو ایک ہاتھ میں لکڑیاں اٹھائے ہوئے تھا۔ گیلے بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور تنفس پھولا ہوا تھا۔

نیچے بیٹھ کے اس نے لکڑیاں سامنے رکھ دیں۔ پھر چند پتلی سوکھی ٹہنیوں کو گھونسلے کی صورت رکھا اور ایک بڑی گیلی لکڑی اٹھائی گویا درخت کے تنے کی چھال ہو جو لمبائی میں اکھاڑ لایا تھا۔

''سر.....یہ گیلی ہیں۔ان سے آگ کیسے جلے گی؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔خنجر سے لمبی لکڑی کے سرے کو کاٹا اور اسے مٹر کے چھلکے کی طرح کاٹ کے دو حصوں میں کھولتا گیا۔اندر ایک پتلی لمبی لکڑی پڑی تھی۔

''یہ ڈیڈ وڈ ہے۔مردہ خشک لکڑی۔اس سے ہم آگ جلائیں گے۔''بغیر جتائے کہتے ہوئے اس نے مردہ لکڑی سوکھی ٹہنیوں کے ساتھ رکھی۔ایڈم کی رنگت خفت سے گلابی ہوئی۔فوراً تالیہ کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیوں؟تم نیشنل جیوگرافک نہیں دیکھتے کیا؟''آنکھیں جھپکا کے سادگی سے پوچھا۔اس کا جسم پہلے درد سے ٹوٹ رہا تھا' اوپر سے یہ تالیہ کی باتیں۔وہ سرخ پڑتے کانوں کے ساتھ رخ ہی موڑ گیا۔

جنگل کے اس حصے میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔واحد آواز پرندوں کی تھی یا اس خنجر کی جسے فاتح ایک گیلی موٹی لکڑی پہ رگڑ رہا تھا۔لکڑی کا بورا ساٹہنیوں کے ڈھیر پہ گرنے لگا۔(یہی سفوف آگ کو بھڑکانے کے کام آتا تھا۔)

جس طرح وہ زمین پہ بیٹھا' گردن جھکائے لکڑی چھیل رہا تھا' اس کو دیکھ کے تالیہ کے دل میں افسوس جاگنے لگا۔

''آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا....تو انکو....کہ آپ چھ سو سال پیچھے چلے جائیں گے۔''

(''پانچ سو ستاون سال۔''ایڈم رخ پھیرے بغیر خفگی سے بڑبڑایا۔)

''میں حال کے بارے میں سوچتا ہوں' تالیہ۔''

''کبھی آپ مجھے تاشہ کہتے تھے۔''وہ مزید اداس ہوئی۔

''تب مجھے تم پہ بھروسہ نہیں تھا۔''

''اور اب؟''

''اب ہے۔''وہ سر جھکائے چاقو لکڑی پہ رگڑے جا رہا تھا۔بار بار گیلے بال انگلیوں سے پیچھے کرتا' لیکن وہ پھر سے ماتھے پہ آن گرتے۔

''آپ کا چیئر مین کا الیکشن سر پہ تھا۔چار دن سے آپ غائب ہیں۔سارا ملک آپ کو ڈھونڈ رہا ہوگا....اور اشعراب چیئر مین بن جائے گا۔''اندھیرے کے ساتھ اس پہ پھر سے قنوطیت طاری ہونے لگی۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو میں راستہ نکال لوں گا۔وان فاتح کے پاس ہمیشہ پلان ہوتا ہے۔''

''ایک منٹ۔''ایڈم نے رخ موڑا۔چہرے پہ حیرت تھی جو اندھیرے کے باوجود عیاں تھی۔''وقت کا اصول ہے کہ اگر ہم اس میں سفر کریں تو ہماری واپسی تک وہ رک جاتا ہے۔یعنی ہم اس کے آگے بڑھنے سے پہلے واپس آسکتے ہیں۔ہوسکتا ہے' ہمارے پیچھے سن باؤ کے گھر میں وقت وہیں ٹھہر گیا ہو۔ہم کئی دن بعد بھی واپس جائیں تو وقت وہیں سے شروع ہو۔''

''اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے' ایڈم۔ ہمیں ابھی یہ بھی یقین نہیں ہے کہ ہم کس دور میں واپس آئے ہیں!''

''مجھے یقین ہے یہ وہی دور ہے' توانکو۔'' وہ تیزی سے بولی۔''چار دن پہلے جب ہم اس جنگل میں آئے اس سے چند لمحے قبل ہی گیارہ سالہ تالیہ نے دروازہ پار کیا تھا۔ وقت ٹھہر گیا تھا۔''

''مگر آپ گیارہ سالہ لڑکی کے طور پہ نہیں لوٹیں۔'' ایڈم بول کے پچھتایا۔ وہ تندہی سے اس کی طرف گھومی۔

''چابی سے وقت آگے اور پیچھے ہوتا ہے' ایڈم۔ ایک پلا پلایا انسان چھوٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ سائنس نہیں پڑھی کیا تم نے؟''

''یا اللہ! ایسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا!'' وہ چڑ گیا۔

''مستقبل کے بارے میں پریشان ہونا چھوڑو' حال کی فکر کرو۔'' وہ اب ٹہنیوں کو جوڑ رہا تھا۔ پھر اس نے چاقو اور ایک لوہے کا آلہ (لاک پک) جو تالیہ کے بیگ میں تھا نکالا اور ان کو اوپر تلے رکھ کے رگڑا۔ ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ چنگاریاں نکلتیں مگر آگ نہ جلتی۔ تالیہ آگے کو جھکی اور پھونکیں مارنے لگی۔ فاتح بار بار دونوں دھاتوں کو رگڑتا۔ یکا یک شعلہ سا جلا اور لکڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ تالیہ ابھی تک پھونکیں مار رہی تھی۔ فاتح نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم فیز تھری میں آ چکی ہو۔'' آگ نے سارے کو روشن کر دیا تھا۔

''میں فیز تھری سے آگے نکل چکی ہوں۔ معلوم نہیں آپ لوگ میرا ساتھ دے بھی سکیں گے یا نہیں۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈنڈا اٹھا لیا۔ فاتح نے اسے نہیں روکا۔ وہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ شاید یونہی جنگل میں ٹہلنے۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں' چے تالیہ؟'' ایڈم فکرمندی سے پکار اٹھا۔''اس وقت جنگل خطرناک ہوتا ہے۔''

''یہ جنگل نہیں' رین فاریسٹ ہے۔ کیوں؟ ڈکشنری نہیں پڑھتے کیا؟'' وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''جب ہم واپس جائیں گے تو پہلا کام چے تالیہ کو پولیس کے حوالے کرنے کا کریں گے۔''

وہ جو ایڈم کے تھیلے سے پتے نکال نکال کے ان کا معائنہ کر رہا تھا' دھیرے سے ہنس پڑا۔

''وہ چوری چھوڑ چکی ہے' ایڈم۔''

ایڈم نے تڑپ کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔''آپ کی اطلاع کے لیے وہ شہزادی تاشہ سے بدلے کے طور پہ اس کا زیور چرانا چاہتی ہیں۔ وہ اب بھی چوری کا ہی سوچ رہی ہیں' سر۔''

''ہم اس وقت ایک کرائسس میں ہیں' ایڈم۔'' آگ کے دوسری جانب وہ اکڑوں بیٹھا گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔''زندگی کے کچھ کرائسس جنگل کی مانند ہوتے ہیں اور جنگل میں صرف ایک سمت میں چلا جاتا ہے۔ ورنہ بھول بھلیاں مار ڈالتی ہیں....''

تالیہ ان سے دور، ڈنڈا زمین پہ مارتی چلتی جارہی تھی۔ مسکراہٹ غائب تھی۔ وہ اداس لگتی تھی۔

''ہر انسان کرائسس میں مختلف طریقے سے ردِعمل دیتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے برے وقت کو کاٹنے کے لئے اسے لالچ کا سہارا لینا پڑتا ہے....''

وہ ایک درخت تلے جا ٹھہری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھنے لگی....

''انسان کو ایک فینٹسی چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ ایسا جس کی تکمیل اس کو متحرک رکھے.... دنیا والوں کے نزدیک وہ فینٹسی.... وہ ناممکن خواب بری چیز ہوسکتا ہے لیکن جو انسان اس جنگل میں گھرا ہوتا ہے، اس کے لئے واحد روشنی وہی فینٹسی ہوتی ہے۔''

اب وہ درخت کے تنے سے سر ٹکائے کھڑی اوپر دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں اداس تھیں۔ ہاتھ دل پہ رکھا تھا۔

''تو اگر کبھی انسان صرف چلتے رہنے کی غرض سے.... کسی اچھوتی چیز کی خواہش دل میں زندہ رکھے.... کوئی خواب، کوئی فینٹسی.... جس کا انتظار... جس کے ملنے کی تمنا اسے امید دلائے، اور اس کے قدم مثبت سمت اٹھتے رہیں.... تو اِٹس اوکے۔ کبھی کبھی خود کو تھوڑی رعایت دے دینی چاہیے۔''

تالیہ نے آنکھیں موند لیں اور دھیمے سروں میں کوئی گیت سا گنگنانے لگی۔

''اور کرائسس سے نکل آنے کے بعد وہ عجیب خواہشیں خود ہی غائب ہوجاتی ہیں.... اس لیے عجیب خواہشوں اور خوابوں پہ کبھی نادم نہیں ہونا چاہیے۔ ہم انسان ہیں اور یہ ہماری ضرورت ہیں۔ اس لیے.... خود کو رعایت دے دیا کرو....''

اب وہ آنکھیں کھولے اوپر درختوں کے سروں کو دیکھتی گنگنا رہی تھی۔ ہاتھ ابھی تک دل پہ تھا۔

''رہی تالیہ.... تو اگر اسے لگتا ہے کہ بہت سے زیور اسے خوشی دے سکتے ہیں، تو اسے اس خیال میں جینے دو۔ اگر یہ خیال اسے جنگل سے باہر لانے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اِٹس اوکے۔''

''مگر وہ مجھے اتنی باتیں سنا رہی ہیں۔'' الاؤ کے پار نیم دراز ایڈم خفا ہوا۔

''وہ صرف تمہیں تنگ کر رہی ہے۔''

''مگر کیوں؟''

''کیا اس کے پاس کرنے کو کچھ اور ہے؟'' الاؤ کے پار بیٹھے فاتح نے ابرو اٹھا کے پوچھا تو وہ چپ ہوگیا۔ ڈنڈے کی آواز آنے لگی تھی۔ وہ اب واپس آرہی تھی۔ ایڈم خاموش ہوگیا۔ سارا جنگل خاموش ہوگیا۔

اب ایک اور رات بہت سے شور اور بہت سی خاموشی میں کٹنی تھی۔

☆......☆......☆

صبح ہوئی تو سورج یوں نکلا گویا کبھی ڈوبا ہی نہیں تھا۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ اور ایڈم کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ وہ کبھی پیٹ پہ ہاتھ رکھتا، کبھی گردن پہ۔ مگر چلتے رہنا بھی مجبوری تھی۔

وہ تینوں آگے پیچھے گدلی زمین پہ چلتے جا رہے تھے۔ ایڈم بار بار پیچھے رہ جاتا تو فاتح کو رکنا پڑتا۔

"کیا تم کوئی دوا، کوئی بوٹی جانتے ہو جو تمہاری تکلیف رفع کر سکے؟" فاتح اس کے لیے فکرمند تھا۔

"میں خود نہیں جانتا سر مجھے ہو کیا رہا ہے۔"

"نہیں جانتے تو جلدی چلو پھر.... ہمیں دن کی روشنی میں اس رین فاریسٹ سے نکلنا ہے۔" وہ ڈپٹ کے کہتی آگے بڑھ گئی تو ایڈم نے جہاں دکھ سے اسے دیکھا، وہیں فاتح کا دماغ کھول اٹھا۔

"وہ بیمار ہے، تالیہ!" آواز میں غصہ اور گرج تھی۔ وہ رکی، اور گردن موڑ کے بے نیازی سے ان دونوں کو دیکھا۔

"ایڈم بیمار نہیں ہے۔ اب جلدی چلیں۔" اور سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح ضبط کر گیا، پھر ایڈم کے کندھے کو تھپکا۔ "ہمت کرو۔"

ایڈم نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم اٹھانے لگا۔

قریباً ڈھائی گھنٹے گزرے تھے جب چلتے چلتے ایک دم ڈھیر ساری روشنی نظر آئی۔ سب سے آگے چلتی تالیہ ٹھہر گئی۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ تیزی سے اس طرف دوڑی۔

درخت ختم ہو گئے تھے۔ باہر گھاس تھی۔ سبز چھت کی حدود بھی ختم ہو گئی۔

جیسے کوئی طلسم سا ٹوٹا تھا۔ قید ختم ہوئی تھی۔

اس نے بے یقینی سے سر اٹھایا۔

اوپر کھلا آسمان تھا۔ صاف سنہری آسمان جہاں سورج چمک رہا تھا.... وہ دونوں بازو پھیلائے بے یقینی سے ایڑیوں پہ گھومی۔ گول۔ گول۔

یہاں سے جنگل شروع ہو رہا تھا۔ جنگل کی زمین گھاس اور جھاڑیوں سے ڈھکی تھی۔ فاصلے فاصلے پہ موٹے تنے کے درخت اُگے تھے۔ یہ مختلف قسم کے درخت تھے۔ درمیان میں اتنا فاصلہ تھا کہ آسمان نظر آتا۔ زمین اور درخت یہاں بھی گیلے گیلے سے تھے مگر مٹی گھاس کے باعث پھسلن زدہ نہیں تھی۔ کہیں جنگلی پھول اُگے تھے۔ دور بہتے پانی کی آواز۔ جانوروں کی مختلف بولیاں۔ زندگی سے بھرپور وہ "جنگل" تھا۔ ایک خوبصورت جنگل۔

وہ خوشی سے مڑی تو وہ دونوں بھی درختوں کے جھنڈ سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔ فاتح بیگ کندھے پہ ڈالے آگے تھا اور نڈھال سا ایڈم پیچھے۔ (بیگ وہ تینوں باری باری اٹھاتے تھے۔ ابھی ایڈم کی باری تھی اور تالیہ نے ایڈم کو بیگ پکڑا بھی دیا تھا مگر فاتح نے وہ اس سے لے لیا تھا۔)

''چلیں....ہم نے اس طرف جانا ہے۔ میں نے اوپر سے دیکھا تھا۔اس طرف آگے جنگل کم گھنا ہو جائے گا۔'' وہ اشارہ کرتے ہوئے بولی تو فاتح کو اسے ٹوکنا پڑا۔

''تالیہ ہمیں ٹھہرنا ہوگا۔ایڈم مزید نہیں چل سکتا۔''

''کیوں؟'' وہ ایڈم کی طرف گھومی اور کمر پہ ہاتھ رکھے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

''کیونکہ اگر اس کی جگہ تم بیمار ہوتیں تو بھی میں یہی کرتا۔''

''غلط کرتے۔اور وہ کوئی بیمار نہیں ہے۔اب چلیں۔'' وہ رکھائی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

''میں چل سکتا ہوں' سر! اِٹس اوکے۔'' وہ اداسی سے کہتے ہوئے قدم اٹھانے لگا۔اس کے انداز سے لگتا تھا اسے رونا آ رہا ہو مگر ضبط کر رہا ہو۔وہ ان تینوں میں سب سے چھوٹا تھا۔کم عمر اور سادہ۔اسے اپنی ماں یاد آ رہی تھی۔جب وہ بیمار ہوتا تو وہ کس طرح....سر جھٹک کے اس نے یادوں کو ذہن سے جھٹکا' اور بہت سے آنسو پی کر چلنے لگا۔اسے تالیہ سے کسی قسم کی رعایت کی امید نہ تھی۔

ان کے راستے میں بہت سے درخت آئے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی پھلدار نہ تھا۔ان جان چیزیں اُگی تھیں۔

کافی آگے ایک جگہ چشمہ بہہ رہا تھا۔صاف' ٹھنڈے پانی کا۔قریب ہی درخت اُگے تھے۔فاتح نے ایڈم کو ادھر بیٹھنے کا اشارہ کیا' اور خود چشمے کی طرف آیا۔جھک کے پانی سے ہاتھوں کے کٹورے بھرے اور اسے منہ پہ ڈالا۔

''تالیہ....ہم یہاں ٹھہر رہے ہیں۔میں آگ جلاتا ہوں' تاکہ ایڈم کو حرارت ملے۔اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔تم اس کے لئے کوئی دوا ڈھونڈو۔''

''کیوں؟ وہ بیمار تھوڑی ہے۔'' وہ نروٹھے پن سے کہتی اٹھی' اپنا خنجر نکالا اور ایک طرف چل دی۔فاتح نے برہمی سے مڑ کے اسے دیکھا۔وہ دور جا رہی تھی۔وہ سر جھٹک کے اپنے اوپر پانی ڈالنے لگا۔جنگل میں شدید خارش اور الرجی سے بچنے کے لیے بار بار خود کو پانی سے دھونا بہت ضروری تھا مگر یہ پانی بھی تالیہ پہ آیا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایڈم بن محمد نقاہت سے آنکھیں موندے ایک درخت سے لگا بیٹھا تھا۔فاصلے پہ فاتح ایک دوسرے درخت کے تنے سے ٹیک لگائے چند جنگلی پھول اپنے ہاتھ پہ رگڑ رہا تھا۔کبھی کسی کو سونگھتا' کسی کو پھینک دیتا۔فکر مندی سے بار بار ایڈم کو دیکھتا جس کی گردن اب ڈھلکی ہوئی تھی۔دونوں کے درمیان الاؤ جل رہا تھا۔

یکا یک بارش کی بوندیں ٹپ ٹپ برسنے لگیں۔اس نے بوٹیوں کا تھیلا پرے ڈال دیا اور خود بے بسی سے ٹیک لگا لی۔بارش نے چند لمحوں میں ہی الاؤ بجھا ڈالا۔تب ہی قریب آتے قدموں کی آواز سنائی دی۔اس نے گردن نہیں موڑی۔جانتا تھا کہ وہ تالیہ ہی ہے۔بس

سامنے دیکھتا رہا۔

پیچھے کہیں سے تالیہ کے آنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کچھ گھسیٹ کے لا رہی تھی۔ کنکھیوں سے نظر آ رہا تھا کہ تالیہ ہرن کے ایک بچے کو گھسیٹ کے لا رہی تھی۔

وہ زندہ تھا شاید۔ تڑپ رہا تھا۔ گردن میں خنجر گھونپا ہوا تھا' خون بہے جا رہا تھا مگر وہ اسے قابو کیے ہوئے تھی۔ بدقت کھینچتی وہ اسے فاتح کے سامنے لائی' اور اس کی گردن پہ اپنا کیچڑ آلود پیر رکھ کے بیٹھی اور چاقو اس کی گردن سے نکالا۔ خون بھل بھل بہنے لگا۔

فاتح خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی اور الجھے سنہرے بال گرد آلود تھے.... چہرے پہ زخم کے نشان بھی تھے اور چبھتی ہوئی نظریں فاتح پہ جمی تھیں۔

ہرن اس کی گرفت میں کسمسا رہا تھا' پھڑ پھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا پاؤں اس کی گردن پہ جما رکھا تھا۔

"آپ نے مجھ سے پوچھا تھا.... یاد ہے...." وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے مصنوعی سا غرائی۔ "کہ تاشہ تمہارے ٹیلنٹ کیا ہیں؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہیں کیا آتا ہے؟" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔ چاقو اب ہرن کی گردن سے لگا رکھا تھا۔

"مجھے.... یہ آتا ہے۔" اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے اس کی گردن میں گھونپ دیا۔ معصوم جانور چلایا... تڑپا.... خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آ گرے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور سر جھٹکا۔ بولا کچھ نہیں.....

ہرن تڑپ رہا تھا.... خون بہہ رہا تھا.... اس کے کپڑے.... زمین.... سرخ خون سے رنگین ہوتی جا رہی تھی.... اور وہ زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے مہارت سے ننھے غزال کی گردن کو ذبح کر رہی تھی۔ دھیرے دھیرے اس کی مزاحمت دم توڑتی گئی اور وہ بے جان ہو گیا۔

"اس طرف بہت سے ہرن ہیں۔ مگر ایک وقت میں ایک ہی کافی ہے ہم پہ۔ کیوں' تو انکو؟ کیسا لگا میرا نشانہ؟" وہ جتاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ "ویسے بھی حالم کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا' جیسے حالم کے خواب کبھی جھوٹے نہیں ہوتے۔" پھر خنجر چلاتا ہاتھ روکا۔ "یہی منظر میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یعنی میرے خواب علامتی نہیں تھے۔ وہ ہو بہو حقیقت کا عکس تھے اور میں ان میں علامتیں تلاش کرتی رہی۔"

فاتح اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "اور جو میں نے تمہیں لینے بھیجا تھا؟ ایڈم کی دوا؟"

"مگر ایڈم بیمار نہیں ہے۔" وہاں بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وان فاتح کے تو سر پہ لگی' تلوں پہ بجھی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ وہ کچھ سخت کہنے ہی لگا تھا کہ.....

"جب میں ملائیشیاء آئی تھی تو میرا وزن اس سے پچیس کلو زیادہ تھا۔ میں نے کئی ماہ لگا کے وزن گھٹایا۔ اور تب سے وزن کے ساتھ جنگ لڑ رہی ہوں اور اس دوران میں نے فاقے بھی کیے۔ اور ڈپریشن میں اوور ایٹنگ بھی کی۔ غرض میں ہر طرح کی 'بھوک' سے لڑتی رہی

ہوں۔'' وہ خون آلود ہاتھوں سے گوشت کے ٹکڑے ہرن کے اندر سے نکال رہی تھی۔ اتنی مہارت اور صفائی سے کہ وہ رک کے دیکھنے لگا۔ (وہ واقعی کسی شکاری کی اولاد تھی۔) پیچھے لیٹا ایڈم بھی سن رہا تھا گو کہ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''مجھے قدرتی جڑی بوٹیوں کا تو علم نہیں مگر میں کئی سال سے ایک ایسی عورت کے ساتھ رہی ہوں جس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی 'بھوک' ہے۔ ان سات سالوں میں اس کو پچاس قسم کے مختلف پیٹ درد ہو چکے ہیں جن کے لئے میں اس کے ساتھ ڈاکٹرز پہ گئی ہوں اور ہر دفعہ وجہ ایک ہی نکلتی ہے۔ بھوک۔ خوراک۔ اس لئے وان فاتح.... جب تالیہ کہہ رہی ہو کہ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو ایڈم بیمار نہیں ہے۔ ایڈم ....صرف....بھوکا ہے!''

گوشت کی چند بوٹیاں اس نے ایک پتے پہ رکھیں اور اٹھ کے بجھے الاؤ کے قریب آئی۔

''آپ سلیبرٹی ہیں' فٹ رہتے ہیں' مجبوری ہے کہ رہنا پڑتا ہے' آپ کی بھوک آپ کے تابع ہے۔'' وہ لکڑیوں پہ بوٹیاں سیخوں کی طرح پرونے لگی۔ ''میں کیٹ برگلر (چور) ہوں' مجھے روشن دانوں اور وینٹ کی سرنگوں میں گھسنا ہوتا ہے' دبلا رہنا میری مجبوری ہے۔ مگر ایڈم کی بھوک اس کے تابع نہیں ہے۔ وہ نارمل انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے اور وہ چار دن سے غیر فطری غذا کھا رہا ہے۔ ایڈم بیمار نہیں ہے' تو انکو۔ ایڈم صرف بھوکا ہے۔ اور جب وہ یہ بھنا ہوا گوشت کھائے گا' تو اس کی توانائی واپس آ جائے گی۔ لیکن یہ بات پتہ نہیں کیوں ایڈم کو خود نہیں سمجھ آئی۔ کیوں ایڈم....'' وہ معصومیت سے اس کی طرف گھومی۔ ''تم نے کبھی متوازن غذا کے اوپر لکھی کوئی کتاب نہیں پڑھی؟''

فاتح کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی ساری کلفت دور ہو گئی تھی۔ ایڈم اپنی جگہ گنگ ہو گیا۔ پہلے تو اسے تالیہ کے اس ''خیال رکھنے کے عمل'' پہ یقین ہی نہ آیا۔ پھر جب محسوس ہوا کہ وہ اس کو دیکھ رہی ہے تو خفگی سے رخ موڑ گیا۔ دونوں ہاتھ ابھی تک پیٹ پہ تھے۔ درد بہت شدید تھی۔

بارش تھمنے کے بعد جب دوبارہ آگ جلائی گئی اور لکڑی کی سیخوں پہ دہکتی گوشت کی بوٹیوں کو آگ نے چھوا تو ان سے مختلف قسم کے رس نکلنے لگے۔ اشتہا انگیز خوشبو سے بوجھل دھوئیں کے مرغولے اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

باربی کیو کی زبردست مہک نے تینوں کی طبیعت پہ بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ اتنے دن بعد.... اتنی بھوک کاٹنے اور اذیتیں اٹھانے کے بعد.... بھنے گوشت کی وہ مہک.... ایک دم ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

اور پھر مہک سے بوجھل دھواں اوپر فضا میں گم ہونے لگا.....

مگر کیا وہ واقعی گم ہو رہا تھا؟ یا وہ مختلف سمتوں میں پھیلتا جا رہا تھا؟

جنگل سے لڑائی نہیں لڑی جاتی.... کیونکہ جنگل زندہ ہوتا ہے۔ اور جنگل میں انسان کا پتہ اس کی آواز اور چاپ سے پہلے اس کی ''خوشبو'' دے دیتی ہے....

یہ خوشبوان کی جنگل میں پہلی سنگین غلطی تھی۔

☆......☆......☆

دوپہراب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔جنگل کے ان خوبصورت درختوں کے بیچ وہ تینوں الاؤ کے گرد بیٹھے تھے۔ایڈم اپنے پتے پہ رکھا بھنے گوشت کا ٹکڑا شوق سے کھا رہا تھا۔ البتہ وہ خاموش تھا۔فاتح کھاتے ہوئے کبھی اس کو دیکھتا اور کبھی تالیہ کو۔

تالیہ....جو خاموش ہو ہی نہیں رہی تھی۔

''جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ ایڈم بن محمد کے پاس تھا تو ہمیں کیا ملتا تھا کھانے کو' تو انکو؟'' وہ بوٹی توڑتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کے بول رہی تھی۔گوشت سخت تھا مگر کھانے لائق تھا۔''مرے ہوئے منحوس گراس ہوپرز.... بدمزہ پپیتا....اور تو اور اس نے ہمیں termites بھی کھلائے....وہ کیڑے....اور ایک دفعہ تو کوئی چھپکلی بھی لے آیا کہ چے تالیہ' یہ زہریلی نہیں ہے' یہ آپ کھا سکتی ہیں۔''

ایڈم نے بس منتقم خاموش نظروں سے اسے دیکھا۔وہ فاتح کی طرف متوجہ تھی۔

''اور ....وہ کراہت آمیز جانور جس کا نام بھی مجھے یاد نہیں....وہ کھلایا اس نے ہمیں ....تو انکو! اور وہ موٹا سا کیڑا....کریب....اور....''

''اور کوکو کا پھل۔'' فاتح نے دھیرے سے یاد دلایا مگر تالیہ نظر انداز کر گئی۔

''اور وہ گندا سا پھول....آخ تھو....کیا کیا نہیں کھلایا اس نے ہمیں....مگر جب فوڈ ڈیپارٹمنٹ تالیہ مراد کے ہاتھ میں آیا تو کیا کھانے کو ملا ہمیں؟''

اب وہ باری باری دونوں سے رائے مانگ رہی تھی۔اگر بنا نمک کے باوجود اتنا لذیذ گوشت تالیہ نے نہ بھونا ہوتا تو ایڈم اسے ابھی پھینک دیتا مگر ضبط کر گیا۔سر جھکائے کھاتا گیا۔توانائی آنے لگی تھی۔پیٹ درد عنقا ہو رہا تھا۔

''تالیہ مراد کی وجہ سے ہمیں یہ غزال ملا کھانے کو' تو انکو۔ یہ لذیذ غزال۔سوچیں اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کیا بنتا۔'' وہ لقمہ چباتے ہوئے مزے سے کہہ رہی تھی۔پھر ہاتھ جھاڑ کے اٹھی۔

''میں جھرنے پہ ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔'' پھر اپنا بیگ اٹھا کے وان فاتح کے قریب سے نکل کے چلی گئی۔ایڈم نے دانت کچکچا کے اسے جاتے دیکھا۔

''ایڈم....وہ تمہارا خیال رکھ رہی ہے۔'' وہ تحمل سے سمجھانے والے انداز میں بولا تو ایڈم نے تڑپ کے اسے دیکھا۔

''یہ خیال رکھنا ہے؟''

''یہ اس کی دوستی ہے۔''

"پھر نہ معلوم دشمنی کیسی ہوگی۔"

فاتح نے کوکو کے چھلکے کے کٹورے سے بھرا پانی پیا اور پھر درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔

"اس کا ذہن عام انسانوں سے کہیں زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے' اس لئے مجھے یقین ہے' اس کی دشمنی بہت خطرناک ہوگی۔ شہزادی تاشہ کو خبردار رہنا چاہیے۔"

ایڈم نہیں ہنسا۔ بس پتا پرے رکھ دیا۔ "مجھے ایسی دوستی نہیں چاہیے جس میں ہر وقت اتنی باتیں سننی پڑیں۔"

"دوستی میں باتیں سننی پڑتی ہیں۔ دوستی میں ہی تو سننی پڑتی ہیں۔"

مگر ایڈم کے ماتھے کے بل صاف نہیں ہوئے۔ "صرف اس لئے کہ آپ کا دوست آپ کا خیال رکھ رہا ہے' آپ اس کی ہر بری بات برداشت کرتے جاؤ؟"

"اگر کوئی دوست آپ کے لئے toxic نہیں بن رہا' تو اس کو برداشت کرنا چاہیے۔"

"سر آپ کے نزدیک دوستی کیا ہے؟"

وہ دونوں کھلے جنگل کی گھاس پہ بیٹھے تھے۔ فاصلے فاصلے پہ درخت اُگے تھے۔ بارش کے بعد اب ہر سو ٹھنڈی چھایا پھیلی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے کہ دوستی کیا ہے؟ میں فلسفوں میں نہیں الجھتا۔ زیادہ فکر اس بات کی کرتا ہوں کہ دوستی بچائی کیسے جاتی ہے؟"

دونوں کے درمیان جلتا الاؤ اب ٹھنڈا پڑ رہا تھا۔ سرخ انگارے سلگتے دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا دوستی کو بھی بچانے کی ضرورت ہوتی ہے؟"

اس سوال پہ فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"زندگی میں ہموار زمین کی طرح ہوتی کون سی چیز ہے' ایڈم؟ رشتے' کیریئر' شوق.... ہر چیز یا تو اوپر جاتی ہے' یا نیچے۔ اگر دوستی پہ محنت نہ کی جائے تو اس کا گراف نیچے چلا جاتا ہے۔"

"اور کیسے محنت کی جاتی ہے دوستی پہ؟"

"دیکھو.... کوئی آپ کو اسے زبردستی نبھانے پہ مجبور نہیں کرسکتا۔" وہ بولتے ہوئے تھوڑی کو ناخن سے رگڑ رہا تھا۔ نظریں دور اس سمت لگی تھیں جہاں تالیہ گئی تھی۔ "یہ خون کے تعلق سے بے نیاز ہوتی ہے۔ صرف دل سے کی جاتی ہے اور وہی لوگ اپنے دوست کے دل سے نہیں اترتے جن میں وہ دو چیزیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ بہت سا صبر اور خوش نصیبی۔ ان دو چیزوں کی مدد سے ایک دوست دوسرے کے دل میں آئی عداوت کو اچھی باتوں سے دور کرسکتا ہے۔ یہ صبر انسان کو خود پیدا کرنا ہوتا ہے اور بخت اسے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔"

"بخت؟"اس نے اچنبھے سے دہرایا۔"کیا اچھا دوست نصیب سے ملتا ہے؟"

"بالکل!لیکن آج کل کے بچے تو اپنے دوستوں کی تنقید تک نہیں سہہ سکتے۔ایسے نازک لوگوں کو بخت نہیں لگا کرتے'ایڈم۔اس کے لیے برداشت سے دوستوں کی بری بھلی باتوں پہ منفی ردِعمل دینے سے خود کو روکنا ہوتا ہے۔جو تحمل سے اپنے دوست کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے'اسے ہی اللہ بخت لگاتا ہے۔اور یہ خوش بختی اس کو مزید اچھی دوستیاں عطا کرتی ہے۔"

"یعنی کسی عام دوست کو برداشت کرنے پہ اللہ یا تو اسی کو خاص بنا دے گا یا آپ کو کوئی اور خاص دوست عطا کرے گا؟"

"میں نے تو ایسے ہی ہوتے دیکھا ہے۔لوگوں کی فطرت سمجھ کے ان کو ڈیل کرو گے تو دل زیادہ نہیں دکھے گا۔مجھے دیکھو۔ہزاروں کارکنوں سے سب کی عادات اور طبیعت کے مطابق ہر روز ڈیل کرتا ہوں اور...." وہ ٹھہرا۔"کرتا تھا۔"

الفاظ تھے کہ کیا'سارے جنگل میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔کرب ناک سا سکوت۔دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔

ان سے دور....ایک طرف تالیہ چلتی جا رہی تھی۔پھر ایک جگہ درختوں کی اوٹ میں وہ ٹھہری اور احتیاط سے پیچھے دیکھا۔آنکھوں میں شرارت تھی۔صد شکر کہ فاتح یا ایڈم میں سے کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔گڈ۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بٹوہ نکالا۔وان فاتح کا بٹوہ جو ابھی اس کے قریب سے گزرتے ہوئے تالیہ نے اچک لیا تھا۔اس کے ہاتھ کی صفائی کمال تھی۔

"میں بھی تو دیکھوں'ہر رات سونے سے پہلے اپنے بٹوے سے کیا نکال کے دیکھتے ہیں فاتح صاحب۔" نچلا لب شرارت سے دبائے اس نے بٹوے کو کھولا۔اندر رقم تھی جو کافی کم تھی۔کریڈٹ کارڈ۔آئی ڈی کارڈ۔آریانہ کی تصویر۔اور تصویر کے پیچھے کچھ پھولا ہوا۔اس نے دو انگلیاں خانے میں گھسا کے وہ شے باہر نکالی جو تصویر کے پیچھے چھپی تھی۔پلاسٹک کا ننھا سا زپ لاک بیگ۔بالکل آدھی انگلی کے جتنا۔ایئر ٹائٹ۔تالیہ اچنبھے سے اس کو آنکھوں کے سامنے اوپر لائی۔شفاف پلاسٹک کے اندر پاپ کارن کے چند ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے تھے۔

اس کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔

(وان فاتح جیسا بڑی عمر کا پریکٹیکل آدمی....سیاستدان....پورے ملک کی حکمرانی کے قریب ہونے والا شخص....وہ پلاسٹک بیگ میں یہ پاپ کارن کے ٹکڑے کیوں رکھے گا؟)ٹکڑے پرانے لگتے تھے۔بہت پرانے۔یہ غلطی سے اندر نہیں آن گرے تھے۔بالخصوص محفوظ کیے گئے تھے۔

وہ سوچ میں گم بٹوہ جیب میں ڈالتی مڑی تھی کہ نظروں کے سامنے جھما کہ سا ہوا....

کیا خواب دیکھا تھا اس نے بھلا جب پہلی دفعہ وہ وان فاتح سے مل کے تنکو کامل کے گھر سے لوٹی تھی؟

چونک کے تالیہ نے اطراف کے درختوں کو دیکھا....یہی درخت تھے وہ۔یہی گدلی زمین۔

وہ ایڈم اور فاتح سے دور آئی تھی اور اس کی گردن میں پھندا آ پڑا تھا.....ایسا ہی کچھ تھا اس کے خواب میں۔

پہلی دفعہ اسے احساس ہوا کہ....وہ جنگل میں اکیلے نہیں تھے....

وہ تیزی سے واپس بھاگی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔سانس پھولنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

پیچھے جنگل کے اس حصے میں ویسا ہی سکون تھا۔فاتح درخت سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے ہوئے تھا....اور ایڈم سستی سے سر تلے بازوؤں کا تکیہ بنائے گھاس پہ لیٹا تھا جب ان دونوں نے قریب آتے قدموں کی آواز سنی۔

''کیا معلوم چے تالیہ اس دفعہ کوئی شیر شکار کر لائی ہوں۔'' ایڈم جل کے بولا تھا۔

فاتح ہلکا سا ہنس دیا اور آنکھیں کھول کے گردن گھمائی۔درختوں کے پار سے قدم نزدیک آتے سنائی دے رہے تھے۔ٹہنیاں ہٹاتے ہاتھ۔پیچھے سے نکلتے سراپے....دو سے زیادہ قدم....مردانہ قدم....

فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔خطرے کی گھنٹی بجی۔

''ایڈم!'' وہ تیزی سے اٹھا مگر تب تک دیر ہو چکی تھی۔آنے والے ان کے سروں پہ پہنچ چکے تھے۔

وہ تین آدمی تھے۔لمبے بال....سانولی رنگت....ماتھے پہ پٹی' اور پاجامے کے اوپر بنا آستین کے قمیض پہنے....ایک سے حلیے اور ہاتھوں میں خم دار' چمکتی تلواریں۔ان دونوں کو دائرے کی صورت گھیرا اور تلواریں ان کی طرف تان لیں۔

فاتح نے احتیاط سے ان کو دیکھتے ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھا دیے۔ایڈم بھی تیزی سے سیدھا ہوا اور ہاتھ جیب تک گیا جس میں پستول تھا۔

''ایڈم...کوئی بیوقوفی مت کرنا....یہ ہمارے جیسے لوگ نہیں ہیں۔'' اس نے دبی آواز میں انگریزی میں گھرکا۔ایڈم نے ہاتھ کھینچ لیا۔

تب ہی ان تینوں میں سے ایک غرا کے کچھ بولا۔ایڈم جو دھیرے سے ہاتھ اٹھائے سیدھا ہو رہا تھا' ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھنے لگا۔

وہ آدمی پھر سے کچھ غرایا اور ان پہ تانی تلوار آگے کی۔

اور وان فاتح کو احساس ہوا کہ اسے ایڈم سے انگریزی میں بات کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اگر وہ ملے بھی بولتا' تو وہ تب بھی اس کی بولی نہ سمجھ سکتے۔بھلے ملک وہی تھا' زبان وہی تھی' قوم وہی تھی' مگر چھ سو سال پہلے کی' ملے زبان' مختلف تھی۔لہجہ' الفاظ' سب کچھ جدا تھا۔وہ تینوں قدیم ملے میں بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے تھے اور فاتح اور ایڈم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

ایک لفظ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

''ہم مسافر ہیں....راستہ بھٹک گئے ہیں۔'' فاتح نے ہاتھ فضا میں بلند کیے کہنے کی کوشش کی۔ان کا سرغنہ جس کے چہرے پہ زخم کا قوس نما نشان تھا' نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر دوبارہ اپنی بات دہرائی' جیسے اب غصے میں آ رہا ہو۔

درختوں کے جھنڈ میں سے تالیہ دوڑتی چلی آ رہی تھی۔ان سے کچھ دور وہ ٹھہر گئی۔ پتوں سے لدی ٹہنی ہٹائی اور سامنے نظر آتا منظر دیکھا جہاں تین افراد ان دونوں کو نرغے میں لئے تلواریں تانے کھڑے تھے۔

تالیہ کا سانس رک گیا۔یا اللہ....اب وہ کیا کرے؟ اس نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

سرغنہ اب چلا کے اپنی بات دہرا رہا تھا۔''تم کون ہو؟ اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟ کیا تم اپنے مالک سے بھاگے ہوئے ہو؟ جواب دو!''

فاتح نے بے بسی سے ایڈم کو دیکھ کے کندھے اچکائے' جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو وہ آدمی کیا پوچھ رہا ہے۔درخت کی اوٹ سے دیکھتی تالیہ کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

وہ اس زبان سے واقف تھی۔وہ لہجہ' وہ الفاظ....یہی اس کے بابا بولتے تھے ان خوابوں میں....وہ ان کو بنا کسی دقت کے سمجھ سکتی تھی۔تو یہ تھا وہ عجیب پن جو ان خوابوں میں تھا؟ صرف زمانہ نہیں' وہ 'زبان' کا فرق تھا جو بتاتا تھا کہ کچھ غلط ہے....

وہ تینوں اب آپس میں کچھ کہہ رہے تھے۔یہاں تک آواز نہیں آ رہی تھی۔فاتح نے دفعتاً ہاتھ دھیرے سے گراتے ہوئے مصالحتی انداز میں بات کرنے کی کوشش کی۔''میں یہاں جنگل میں راستہ ڈھونڈنے....'' مگر سرغنہ نے تیزی سے تلوار اس پہ تان لی تو اس نے ''اوکے اوکے ریلیکس'' کہتے ہوئے دوبارہ ہاتھ اٹھا دیے۔ان جنگلیوں کا کیا بھروسہ۔وہ تلوار چلا ہی دیتے۔

تالیہ نے جیب سے خنجر نکالا' اور ایک آنکھ بند کیے تاک کے نشانہ باندھا۔سرغنہ کے کندھے کا نشانہ۔پھر مہارت سے خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور.....

کسی نے پوری قوت سے اس کے سر کی پشت پہ ضرب ماری تھی۔اس کا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا۔خنجر پھسل کے نیچے جا گرا....اور اسے اپنا وجود کسی کٹی ٹہنی کی طرح زمین پہ گرتا محسوس ہوا....

اندھیرا....گھپ اندھیرا....وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر درد کی شدت سے وہ کھل کے نہیں دے رہی تھیں۔سر کسی لکڑی سے ٹکا رکھا تھا' اور جسم ہوا میں جھول رہا تھا۔گویا وہ کسی چلتی چیز پہ سوار ہو....اور سواری تیزی سے راستے پہ آگے بڑھ رہی ہو اور اس کا جسم ساتھ ساتھ ہل رہا ہو....ہلکے ہلکے جھٹکے....اس نے پلکیں بدقت کھولیں....ذرا سی جھری سے روشنی نظر آئی پھر وہ بوجھ سے واپس گر گئیں.....

☆......☆......☆

سخت نیند میں پلکیں اٹھانا بہت پرمشقت کام لگ رہا تھا' مگر کانوں میں آتی آواز نے اس کو جگا دیا۔

گیارہ سالہ تالیہ نے آنکھیں کھولیں تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔اس نے ادھرادھر دیکھا۔

یتیم خانے کے اس کمرے میں دو بنکر رکھے تھے جن میں اوپر تلے چار بستر بچھے تھے۔باقی تین لڑکیاں اپنے اپنے بستروں میں سو رہی تھیں۔صرف اوپری بنکر پہ لیٹی تالیہ تھی جو آواز سے جاگ گئی تھی۔

کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔باہر راہداری سے روشنی آ رہی تھی۔تالیہ نے لیٹے لیٹے گردن دروازے کی سمت موڑی۔وہاں دو ہیولے سے کھڑے تھے۔دو عورتیں جودھیمی آواز میں بات کررہی تھیں۔اس کا دماغ اس زبان کو سمجھ نہیں پارہا تھا جو وہ بول رہی تھیں۔

''کیا وہ اپنے نام کے علاوہ کچھ نہیں بتاتی' ماریہ؟'' ایک نے دوسری سے پوچھا۔تالیہ خاموشی سے لیٹی وہ انجان زبان سنے گئی۔

''اس نے صرف اپنا نام بتایا' اور پھر اس نے چند باتیں کہیں۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا سوائے چند الفاظ کے۔وہ عجیب لہجے میں بولتی ہے' شاید کوئی علاقائی زبان۔''

''تمہیں کیا سمجھ آیا؟''

''میرا گاؤں....گاؤں کے لوگ....مر جائیں گے.... بابا کا ذکر.....مدد.....مجھے خالی جگہیں خود پر کرنی پڑیں۔''

''اور دوبارہ وہ کچھ نہیں بولی؟''

''نہیں۔ایسے لگتا ہے وہ سب کچھ بھول گئی ہے۔'' مسز ماریہ اداسی سے کہہ رہی تھیں۔

''پولیس نے بھی کوئی سراغ نہیں لگایا؟''

''بچی کی تصاویر ٹی وی تک پہ دی ہیں' اخباروں میں بھی لگوائی ہیں مگر ایسے لگتا ہے وہ آسمان سے گری ہے یا زمین سے اُگی ہے ....کیونکہ اسے لینے کوئی نہیں آیا نہ ہی کوئی اسے جانتا ہے!''

نیم اندھیرے میں کھڑے دونوں ہیولے باتیں کر رہے تھے اور اوپر بنکر پہ کروٹ کے بل لیٹی لڑکی سن رہی تھی مگر ان کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''کیا وہ کھاتی پیتی ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔وہ کھانا پینا تو نہیں بھولی۔اپنے کام بھی خود کرتی ہے۔سمجھدار ہے۔بس باقی باتیں بھول گئی ہے۔''

''کل جب میں کھانے کی میز کے ساتھ سے گزری تو میں نے دیکھا ماریہ' وہ اپنی کلائی کو بار بار چھو کے دیکھ رہی تھی' جیسے کوئی لڑکی اپنے کڑے کو مس کرتی ہے۔''

''ایسے ہی کچھ دیکھ رہی ہوگی۔آپ زیادہ سیریئس نہ لیں۔'' مسز ماریہ جلدی سے بولیں۔کھڑے کھڑے انہوں نے پہلو بدلا۔

''کوئی چوڑی' کڑا وغیرہ تو نہیں پہن رکھا تھا اس نے جب وہ یہاں آئی تھی؟ مجھے لگتا ہے اسے صرف یہی بات یاد ہے کہ اس کی کلائی میں کچھ تھا۔'' دوسری عورت سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی' مگر مسز ماریہ اس کو کہنی سے تھام کے آگے لے جانے لگیں۔

''آپ تالیہ کی فکر نہ کریں۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔ میں اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی اور ان شاء اللہ اس کی یادداشت واپس آجائے گی۔''

جاتے جاتے مسز ماریہ نے دروازے کو بند کر دیا۔ پٹ چوکھٹ سے آن لگا تو روشنی کا راستہ رک گیا۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ اور اس گھپ اندھیرے میں وہ آنکھیں پوری کھولے اندھیر پڑی دیوار کو تکنے لگی۔

☆......☆......☆

تالیہ نے دوبارہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ پلکیں جدا ہوئیں تو روشنی سی اُمڈ آئی۔ نقاہت سے اس نے پلکیں جھپکائیں۔ منظر دھندلا تھا۔ سبزہ سا ساتھ ساتھ چل رہا ہو۔ یا وہ کسی سواری پہ تھی جو چلتی جا رہی تھی۔ کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی ....سوائے گھوڑے کے ٹاپوں کے ....تیز آواز ....پتھریلی زمین پہ سرپٹ دوڑنے کی آواز....

بوجھ بڑھ گیا تو اس نے پلکیں واپس گرا دیں ....پھر سے ساری دنیا اندھیر ہونے لگی.....

☆......☆......☆

وہ گلاب سیاہی مائل سرخ تھے۔ اتنا گہرا سرخ رنگ کہ ان پہ سیاہ رنگ کا گمان ہوتا تھا۔ کھڑکی میں ان گلابوں پہ بڑا سا گلدستہ رکھا تھا۔ کرسی پہ بیٹھی وہ پھولے گالوں والی قدرے موٹی بچی ان پھولوں کو تکے جا رہی تھی۔

ساتھ والی کرسی پہ مسز ماریہ بیٹھی تھیں جو میز کے اس پار براجمان ڈاکٹر کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ چھوٹے بالوں اور چشمے والی سانولی سی خاتون تھیں جن کے چہرے پہ تالیہ کے لیے خالص فکرمندی تھی۔

''میں نے ساری رپورٹس بھی دیکھی ہیں اور تالیہ کا بذاتِ خود معائنہ بھی کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں۔ تالیہ ان کے آفس کی ہر شے سے بے نیاز صرف ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تالیہ جسمانی لحاظ سے بالکل فٹ ہے۔ اس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی مگر قد کاٹھ میں یہ عمر سے بڑی لگتی ہے۔ ہڈیاں مضبوط ہیں' اور میرا خیال ہے کہ یہ خالص اور متوازن غذا پہ بڑی ہوئی ہے۔''

''مگر یہ ہمیں بہت برے حال میں ملی تھی۔ جیسے کسی غریب گھرانے کی افلاس کی ماری لڑکی ہو۔''

''ہوسکتا ہے کہ اس کا گھرانہ غریب ہی ہو مگر شاید کسی ایسی جگہ رہتی ہو جہاں اچھا کھانے کو ملتا ہو جیسے کوئی گاؤں وغیرہ۔ وہ ہاتھوں سے کھاتی ہے مگر نفاست سے۔ یعنی خاندانی ہے اور اس کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔'' ڈاکٹر صاحبہ ایک ایک بات پہ زور دے رہی تھیں۔